مکمل ناول

آتش عشق

رات بے حد حسین تھی، فضا میں رات کی رانی کے پھولوں، ساون کی پھوار کی مہک اور گیلی مٹی کی
سوندھی خوشبو پھیلی ہوئی تھی، کھڑکیوں سے جب ہلکی ہلکی بھیگی سی ہوائیں اندر آتیں تو اس کے تن من میں

سا پر لطیف سا احساس سرائیت کر جاتا۔ بلاشبہ موسم نے بہت خوشگوار انگڑائی لی تھی۔ یہ بھیگی بھیگی ٹھنڈی
ی شوخ ترم ہوائیں اور اس کی سرسراہٹ ساون رتوں کا سنگھار تھیں۔ ایسے موسم میں اس کے اندر بے
ی چھا جاتی، ساون کی مہک، بارش کی پھوار، پھولوں، چاندنی راتوں، ان سب میں مگن اور اپنی دنیا میں
رہنے والی لڑکی آج کتنی بے بس تھی، اندر کی گھبراہٹ بڑھنے لگی تو وہ کھڑکی کے پاس آ کھڑی ہوئی اور
ں کے دونوں پٹ پوری طرح وا کر کے اس نے باہر کی جانب اپنی ہتھیلیاں پھیلا دیں، بارش موتیوں کے
ں کی صورت ہتھیلیوں پر برس کر پانی بننے لگی۔

ہر اب تیز بارش ہونے لگی تھی، چھم چھم بارش کی بوندیں ماحول پر زبردست سا تاثر چھوڑ رہی تھیں، ان
و ہوائیں ادھر سے ادھر لیے آنکھ مچولی کھیل رہی تھیں، بارش کے قطروں کا ریلا چاندنی کے بلبلوں کی
ں کی سحر رقصاں تھا۔ تیز ہوا کا جھونکا اپنے ساتھ بوچھاڑ لے کر اس کے چہرے، گردن اور سینے پر حملہ آور ہوا تو اس
ن میں بند آنکھوں کو کھول لیا، جسے بند کیے وہ اس بارش اور اس کی رم جھم بوندوں کو محسوس کر رہی تھی، اس کا دل

بارش میں بھیگنے کے لیے مچلنے لگا، تبھی وہ بے خودی ہوتی دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر اپنی گیلری میں چلی آئی۔ اس کا روم اوپر کی منزل پہ تھا اس لیے اس کی گیلری کافی کھلی تھی، بالکل ٹیرس کی طرح.... وہ ارد گرد کے سے بے پرواہ اور بے خبر اس بارش میں اپنے تن من دونوں کو ہی بھگونے لگی۔ وہ جو ابھی روم میں داخل ہوا گیلری میں اسے یوں بھیگتے دیکھ کر اس کے قدم گیلری کے گلاس ڈور کے پاس تھم سے گئے، وہ یک ٹک دیکھنے لگا، بلیک اینڈ وائٹ لان کے پرنٹڈ سوٹ پر دوپٹہ کندھوں پر پھیلائے آنکھیں بند کیے اور دونوں ہاتھ وا کیے گیلری کے بیچوں وبیچ کھڑی بارش کو انجوائے کر رہی تھی، ٹھنڈی تیز ہوا اس کے لمبے سیاہ بالوں کی زلفوں سے چھیڑ خانی میں مصروف تھی، اس کا نکھرا نکھرا سا چہرہ، جس پر ہلکی سی مسکراہٹ، اس کے معصوم سے چہرے کو چار چاند لگا رہی تھی، کتنے ہی پل وہ یوں ہی سینے پر دونوں ہاتھ باندھے گلاس ڈور سے ٹیک لگائے اسے دیکھتا رہا۔ کافی دیر بھیگتے رہنے کے بعد اس نے واپسی کا ارادہ کیا اور جب وہ اپنے بھیگے وجود کے ساتھ پلٹی تو اسے گیلری کے ڈور پر ایستادہ دیکھ کر چونک گئی۔

''لگتا ہے آپ کو بارش بہت پسند ہے؟'' وہ اس سے مخاطب تھا، مگر وہ بنا کوئی جواب دیے اس کے پاس سے گزر کر کمرے میں داخل ہونے لگی۔

''کیا ہوا.... یہ میرے ہی سامنے کیوں تمہاری بولتی بند ہو جاتی ہے؟'' اس نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''پلیز چھوڑیں میرا ہاتھ....!'' رخ موڑے بغیر ہی اس نے اپنا ہاتھ چھڑوانا چاہا

''اف.... اتنا غصہ، اتنا نخرہ، ویسے مجھے یوں نخرے نہیں پسند''۔ اس کا ہاتھ اور مضبوطی سے پکڑ کر مروڑا تو اس کے منہ سے سسکی نکل گئی۔

''اور مجھے آپ نہیں پسند''۔ کھٹ سے جواب دے کر اس نے مخاطب کے غصے کو ہوا دی۔

''تم اپنے آپ کو سمجھتی کیا ہو؟'' اسے اپنی طرف کھینچتے ہوئے کہا۔

''اپنے آپ کو تو میں انسان سمجھتی ہوں مگر آپ کا پتہ نہیں''۔ وہ بھی روبرو ہو کر بولی۔

''چلو تمہیں بتاتا ہوں میرا پتہ نہیں ناں تمہیں؟'' اس کے دونوں بازوؤں کو سختی سے جکڑے اسے کھینچ کر بیڈ کی طرف لا کر پٹخا، اگلے پل اس کے بھیگے کپڑے اس کے سوکھے جسم کو راحت و تسکین دے رہے تھے، ستانے کی انتہا پر پہنچ کر بھی وہ طنز کرنا نہ بھولا تھا، بھیگے موسم میں اس کے الفاظ نے آگ لگا دی تھی، اس کا دل اس کے طرح جلنے لگا تھا اور آنکھوں میں جیسے مرچیں سی بھرنے لگی تھیں، بند پلکوں کی چلمنوں سے آنسو بہہ بہہ کر تکیہ کو بھگونے لگے، باہر بارش جاری تھی اور یہاں اس کے اندر طوفان برپا تھا، رات جو کچھ دیر پہلے بہت حسین لگ رہی تھی، مگر اب یہی حسین رات اس کو خون کے آنسو رلا رہی تھی۔

☆..........☆..........☆

''وڈیرا حویلی'' رانی پور کے نواحی قصبے کے وسط میں وڈیرے علی بخش نے تعمیر کروائی تھی، لال اینٹوں سے بنی یہ پختہ، بڑے بڑے ستونوں پر بنی حویلی دیکھنے والے کو مبہوت کر دیتی، لال اینٹوں سے مزین روش کے دونوں اطراف کھجوروں، برگد اور نیم کے درخت پھیلے ہوئے تھے، آگے جا کر جہاں یہ قطار ختم ہوتی اور مین گیٹ شروع ہوتا وہیں دائیں جانب ہری ہری گھاس کا لبادہ اوڑھے لان موجود تھا، جس میں لکڑی کا ایک جھولا اور ساتھ ہی کرسی ٹیبل رکھا ہوا تھا، جبکہ بائیں جانب باغ تھا، جس میں گلاب، گل ہزارہ، گل داؤدی،

''پاپا! ارے آج آپ جلدی آ گئے.... مما تو باہر گئی ہوئی ہیں، کچھ کام تھا پاپا؟''

''ارے بھئی سانس تو لے لو ناں''۔ یاسر شیخ نے ہنستے ہوئے اپنی بیٹی کے سوالات کی توپ پر بریک لگاتے ہوئے کہا۔

''کیا بات ہے پاپا! آج تو آپ کافی خوش بھی نظر آ رہے ہیں؟''

''واہ! آپ نے تو فوراً Guess کر لیا، اچھا یہ دیکھو یہ کیا ہے''۔ یاسر شیخ نے جواب دیتے ہوئے اپنے بریف کیس میں سے ایک سادہ سا کارڈ نکال کر اس کے سامنے کیا۔

''اوف ہو.... پاپا! آف کورس یہ کارڈ ہے اور کیا''۔ ضوفی جو اپنے پاپا کی خوشی کی وجہ جاننا چاہتی تھی، یوں ایک کارڈ دیکھ کر برا سا منہ بناتے ہوئے بولی۔

''یہ تو ہمیں بھی پتہ ہے یہ کارڈ ہے، پر گڑیا! آپ کو پتہ ہے یہ کس کا کارڈ ہے؟'' یاسر شیخ نے کارڈ دیکھتے ہوئے کہا۔

''پاپا! اول یہ کاغذ کا کارڈ ہے اور دوئم یقیناً کسی نہ کسی کی شادی کا ہی کارڈ ہوگا''۔ پاپا کے برابر رکھے صوفے پر بیٹھتے ہوئے اس نے کہا۔

''بالکل صحیح اندازہ لگایا ہے، یہ شادی کا ہی کارڈ ہے اور وہ بھی میرے اکلوتے چچا زاد بھائی اظفر بھائی کی بیٹی نیلوفر کی شادی کا''۔ یاسر شیخ نے اپنی بیٹی کی بات پہ مسکراہٹ ضبط کرتے ہوئے جواب دیا۔

''اوہ.... نیلوفر باجی.... وہی ناں جو پچھلے سال سے بھی پچھلے سال گل آپی کی شادی میں آئی تھیں؟'' ضوفی نے وہ کارڈ پاپا کے ہاتھ سے لیتے ہوئے کہا، کندھے سے ذرا نیچے تک آتے مہندی سے رنگے بال، جن میں پراندوں اور موتیوں سے سجا پراندہ ڈالا ہوا، گھٹنوں تک آتی چست قمیض پر گھیر دار شلوار اور بڑا سا دوپٹہ لپیٹے، چھوٹی چھوٹی آنکھوں میں موٹا موٹا سا کاجل، چہرے پر پاؤڈر اور کریم کا بے دریغ استعمال اور ہونٹوں پر تیز لال رنگ کی لپ اسٹک سونے پر سہاگا۔ یہ تھی نیلوفر عرف نیلو جس کا نام سنتے ہی دو سال پہلے والی ملاقات پر نیلوفر کا سراپا ضوفی کے ذہن کے کونے میں کوندا تھا۔

''جی بیٹا! وہی نیلو، کارڈ تو کسی اور کے ہاتھ بھجوایا کیوں کہ مصروفیت کی بناء پر وہ تو نہیں آ پائے، مگر فون کر کے بہت اصرار کیا ہے، وہ بھی ہماری گل کی شادی پر آئے تھے، ہمارا جانا بھی بنتا ہے، سو بیٹا! تیاری کر لو''۔ یاسر شیخ نے پر جوش انداز میں کہا۔

''کہاں جانے کی تیاری ہو رہی ہے دونوں باپ بیٹی میں؟''

''اچھا ہوا بیگم! آپ بھی جلدی لوٹ آئیں، یہ اپنی نیلو کی شادی کا کارڈ آیا ہے، ضوفی کو یہی بتا رہا تھا کہ شادی میں جانا ہے ہم سب نے، سو تیاری شروع کر لے''۔ یاسر شیخ نے اپنی بیگم کے جواب میں تفصیل سے آگاہ کیا، جو کہ ابھی ابھی آئی تھیں۔

''تو مجھ ہمیں گاؤں جانا پڑے گا؟ لیکن میں ایسے کیسے شادی میں جا سکتی ہوں، میرا سوشل ورک کا کافی کام ہے، پھر اسی ہفتے سیمینار بھی ہے اور ابھی ضوفی اپنے پیپرز سے فارغ ہوئی ہے، تھکن بھی نہیں اتری ٹھیک سے اور آپ ہیں کہ چلنے کی تیاری.... حال یہ ہے کہ بیگانی شادی میں عبداللہ دیوانہ''۔ سائرہ جو ہیں ان کے پاس بیٹھتے ہوئے ماتھے پر ڈھیروں ڈھیر شکنیں لائے عجیب سے لہجے میں بولیں۔

''حد ہے بیگم! وہ کوئی بیگانے نہیں، اور نہ پرائے ہیں، میرے اپنے ہی تو ہیں، ضوفی بیٹا! آپ ذرا دو کپ

جائے تو بتا لائیں'' ۔یاسر شیخ نے اپنی بیگم کو جواب دینے کے ساتھ ہی ضوفی کو جانے کا کہا۔

''جی پاپا! ابھی لائی'' ۔وہ کچن کی طرف بڑھ گئی جبکہ پیچھے سے آتی مما اور پاپا کی بحث کی آوازیں بہ خوبی اس کے کانوں تک پہنچ رہی تھیں، وہ جانتی تھی کہ ہمیشہ کی طرح اس بحث کا نتیجہ لاحاصل ہی ہوگا، شاید کیونکہ مما کو گاؤں جانا کبھی پسند نہیں رہا تھا۔

☆.........☆.........☆

بالآخر وہی ہوا جس کا اسے ڈر تھا، پاپا نے ہی بالآخر ہار مان لی تھی، ماما نے تو جانے سے انکار کر دیا تھا پر وہ ضوفی کو اپنے ساتھ لے جانے پر قائل کر چکے تھے، ضوفی نے انکار اس لیے نہیں کیا، ایک تو وہ آج کل فارغ تھی اور بور ہو رہی تھی کرنے کو کچھ تھا نہیں، سو سوچا تھوڑی آؤٹنگ ہو جائے گی اور دوسرا یہ کہ وہ اپنے پاپا کی خوشی کی خاطر شرکت کرنا لازمی سمجھ رہی تھی، کیونکہ مما نے جو انکار کیا تھا، پاپا کا جوش ماند پڑ گیا تھا، پر اب اس کے ساتھ جانے پر وہ اپنے پاپا کے چہرے پر خوشی کے ڈھیروں رنگ دیکھ رہی تھی، شادی میں گو کہ ابھی دو تین دن تھے، پر یاسر شیخ کا کہنا تھا کہ یوں اچھا نہیں لگتا کہ ہم غیروں کی طرح عین شادی کے موقع پر جائیں، اس لیے اب وہ لوگ شادی سے دو دن پہلے جا رہے تھے، کراچی سے وہ لوگ بذریعہ ٹرین سکھر کے قریب واقع گھمبٹ شہر کے لیے روانہ ہوئے تھے، حیدرآباد، نواب شاہ اور دیگر چھوٹے بڑے شہروں سے گزرتے ہوئے ٹرین نے جب انہیں گھمبٹ کے اسٹیشن پر اتارا تو اگلے ہی پل ضوفی کو آس پاس ویران کھیت وکھلیان اور دور اکا دکا نہیں دو چھوٹے چھوٹے گھر دیکھ کر اپنے یہاں آنے کے فیصلے پر افسوس ہوا، اسٹیشن پر انہیں چچا اظفر ہی لینے آئے تھے، پلیٹ فارم کراس کر کے جب وہ لوگ دوسری طرف پہنچے تو قطار در قطار یہاں تانگے یوں کھڑے ہوئے تھے، جیسے جناح ٹرمینل کے باہر ٹیکسیاں کھڑی ہوتی ہیں۔ خیر وہ سب ایک تانگے پر سامان سمیت سوار ہوئے اور اپنی منزل کی جانب رواں دواں ہوئے، پاپا تو چونکہ ان سب کے عادی رہ چکے تھے ان کے لیے یہ سب نیا نہیں تھا، اس لیے وہ چچا اظفر سے باتوں میں مصروف تھے جبکہ ضوفی کے لیے یہ سب بہت نیا اور انوکھا تھا، کبھی وہ تانگے کی حرکات وسکنات پر غور کرتی تو کبھی اپنے دائیں بائیں گزرتے تانگے کے کھیتوں، کھجور کے اونچے لمبے درختوں پر نگاہ دوڑاتی، تو کبھی کچے پکے راستے پر تانگے سے اٹھنے والی دھول مٹی کو چہرے پر آنے سے روکتی۔ غرض یہ کہ لامتناہی سوچوں اور اندیشوں میں گھر کر بالآخر ان کا سفر اختتام پذیر ہوا، جسے اس نے دل ہی دل میں ''دھول مٹی کی سواری'' کا نام دیا، اظفر چچا تو ان کا سامان سنبھالے کچی پکی پگڈنڈی پر چلنے لگے، جبکہ اونچے نیچے پتھروں پر ہیل والی سینڈل سے چلنا اس کے لیے محال تھا، قریب تھا کہ پاس پڑے کسی پتھر پر بیٹھ کر رونے لگتی کہ پاپا نے اس کا ہاتھ تھام لیا اور یوں وہ ان کے ہمراہ گرتی پڑتی کچے پکے قطار در قطار بنے مکانوں کے محلے میں داخل ہو گئی، اس نے اطراف میں حیرت اور ناگواری سے جائزہ لیا، اینٹوں اور مٹی کے گارے سے بنے ہوئے یہ گھر جن کی چھتیں کھجور کی شاخوں، تنے وغیرہ سے ڈھکی ہوئی تھیں اور کسی اکا دکا گھر کی چھتیں ٹین کی تھیں، پاس ہی ایک مسجد بنی ہوئی تھی، تھوڑا سا آگے اسے کچھ دکانیں بھی نظر آئیں، اب وہ لوگ چچا اظفر کے گھر کے سامنے تھے، گو کہ چچا اظفر کے گھر کی بناوٹ وساخت بھی کچھ ایسی ہی تھی جیسی کہ آس پڑوس کے گھروں کی، پر پھر بھی چچا اظفر کا گھر ان سے کچھ بہتر حالت میں تھا وہ سب آگے پیچھے اندر داخل ہوئے۔

''ارے یہ کیا... پھر چلنا پڑے گا؟'' اس نے بے ساختہ اتنے بڑے کھلے وسیع وعریض صحن کو دیکھا، جس کے آخری سرے پر کمرے، برآمدے وغیرہ دکھ رہے تھے۔

موتیا، گجرے اور بھی بہت سارے پھولوں کی قطاریں ترتیب سے موجود تھیں، ذرا فاصلے پر ایک تالاب بھی تھا، جس کے وسط میں ایک فوارہ آویزاں تھا، تالاب میں بھی گل نیلوفر اپنی بہار دکھاتا، دیکھنے والا ان نظاروں میں کھو سا جاتا۔ علی بخش کے دو بیٹے تھے بڑے خادم علی بخش اور چھوٹے حسین علی بخش۔ باپ کی وفات کے بعد خادم علی وڈیرے نامزد ہوئے، حسین علی اپنے باپ اور بھائی سے مختلف طبیعت کے تھے، انکساری، خدمت خلق، ہمدردی ان میں کوٹ کوٹ کر خدا نے عطا کی تھی جبکہ خادم علی اگرچہ نیک دل تھے مگر وڈیروں والی صفات ان میں کثرت سے موجود تھیں، خادم علی کا ایک بیٹا نیاز حسین شاہ تھا، جسے پڑھائی میں کوئی خاص دلچسپی نہ تھی، تبھی وہ اپنی بنی (زمین) کا کام سنبھالتا۔ حسین علی کا ایک بیٹا عظام اور بیٹی دانیہ تھی، ان کی بیوی انہیں چھوڑ کر جا چکی تھی اور یہ ذلت ورسوائی وہ سہہ نہیں پائے تھے کہ شادی کے 12 سال بعد ان کی بیوی کسی اور کے ساتھ بھاگ گئی، تبھی وہ دنیا سے منہ موڑ گئے، حویلی کے مکینوں میں بارلیش اور بزرگ اماں بچل بھی رہتی تھیں جو کہ خادم اور حسین کی والدہ تھیں۔ ایک حادثے میں نیاز حسین شاہ کی موت نے اس حویلی کے مکینوں کو ہلا کر رکھ دیا تھا اور پھر کچھ فیصلے اتنی اچانک ہوئے کہ کسی کو سنبھلنے کا وقت ہی نہ مل پایا۔ عظام کی دلچسپی کو دیکھتے ہوئے اس کے تایا نے اسے جامشورو یونیورسٹی پڑھنے بھیجا تھا، مگر اپنے بھائی کی حادثاتی موت پر وہ پھر سے حویلی آ گیا۔ کیونکہ اب یہاں کے مکینوں کو اس کی ضرورت تھی، اس کے تایا جوان اور اکلوتے بیٹے کی موت پر ڈھے سے گئے تھے اور آج کل بیمار تھے۔

☆.........☆.........☆

یاسر شیخ کا تعلق بظاہر تو گھمبٹ کے قریبی گاؤں سے تھا، لیکن اپنے والدین کی وفات کے بعد وہ اپنا دیہی گاؤں چھوڑ کر کراچی شفٹ ہو گئے تھے، ان کے کزن، رشتے دار سب ہی اسی گاؤں میں مقیم تھے، نواب شاہ سے گریجویشن کر کے جب وہ کراچی شفٹ ہوئے تب یہیں کی رہنے والی سائرہ کو اپنا شریک سفر بنایا، سائرہ ایک سوشل ورکر وومن تھی، شادی کے بعد بھی ان کا سوشل سرکل یوں ہی جاری رہا، یاسر شیخ بھی ایک آفس میں مینجمنٹ کے عہدے پر فائز تھے، گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ ان کے آنگن میں یکے بعد دیگرے دو کلیوں نے اپنی چہچہاہٹ، رنگوں اور خوشبوؤں سے رونق بخشی تھی۔ بڑی بیٹی گلفشاں تھی اور پھر چھوٹی ضوفشاں۔ دونوں کو اپنے ماں باپ کا یکساں پیار ملا تھا، تبھی ان میں دونوں کے گن شامل تھے۔ گلفشاں نے گریجویشن مکمل کیا ہی تھا کہ اس کے رشتے آنا شروع ہو گئے، جس میں سے جنید انہیں موزوں لگا اور یوں گلفشاں یاسر، گلفشاں جنید بن کر پیا دیس سدھاری۔ آج کل وہ کینیڈا میں مقیم تھی اور اس کا چھ ماہ کا پیارا سا بیٹا رومیصل تھا، جبکہ باتونی، شرارتی، ہنس مکھ سی ضوفشاں آج کل B.com کر کے فارغ تھی، اسے گھومنے پھرنے کا بہت شوق تھا، مگر پاپا کی اپنی مصروفیات تھیں جبکہ ممی کا اپنا سوشل ورک کا دائرہ اتنا وسیع تھا اور ویسے بھی ممی کو گاؤں اور گاؤں کا ماحول پسند نہیں تھا، تبھی اپنے پاپا کے آبائی گاؤں وہ چاہ کر بھی نہیں جا پائی تھی، مگر وہ انجان تھی کہ آنے والا وقت اس کو کس دوراہے پر لا کر کھڑا کر دے گا۔

☆.........☆.........☆

''ضوفی، سائرہ! ارے بھئی! کہاں ہو تم سب؟ نیچے تو آؤ'' ۔یاسر شیخ جو ابھی ابھی گھر میں داخل ہوئے تھے لاؤنج میں داخل ہوتے ہی اپنی بیٹی اور بیوی کو آوازیں دینے لگے۔

''آئی پاپا! 1 منٹ'' ۔ضوفی جلدی جلدی سیڑھیاں اترتے ہوئے نیچے لاؤنج میں آئی۔

"گویا! گاؤں کے گھر ایسے ہی ہوتے ہیں، آپ پہلی بار آئی ہو نا بیٹا! اس لیے سب کچھ عجیب لگ رہا ہے، و آؤ"۔ پاپا نے اس کی حیران شکل کو دیکھتے ہوئے کہا تو وہ بھی حیرت و صدمے سے گنگ آگے بڑھی، چوڑا صحن ر لینے کے بعد ہی برآمدے میں اظفر چچا کی بیوی نوراں، ان کی ساس، پاپا کی پھپھو اور بھی کافی خواتین ان ے استقبال کے لیے کھڑی تھیں، جنھوں نے بڑے پرتپاک اور گرم جوشی سے استقبال کیا، صرف اس کے پاپا کا نہیں بلکہ اس کو بھی گلے لگا کر ڈھیروں پیار سے نوازا اور وہ ان سب کی اتنی پرخلوص محبتیں دیکھ کر شرمندہ سی نے لگی، تبھی چاچی نوراں کے ہمراہ وہ کمرے میں چلی آئی۔

"پتر! ہتھ منہ دھو، آرام کر"۔ چاچی نوراں کی بات پر دھول مٹی کی سواری یاد آئی تو وہ سامنے لگے شیشے کی رف بڑھی، اپنی صورت اور حلیہ دیکھتے ہی چیخ نکلنے کے قریب تر تھی، دھول و مٹی سے اٹے بال جو چڑیا کا گھونسلہ لگ رہے تھے، سفید رنگ دھوپ کی تمازت سے سرخ پڑ چکا تھا اور ہونٹ خشک۔

وہ چاچی کی ہمراہی میں واش روم کی طرف بھاگی، نہانے اور اچھی طرح فریش ہونے کے بعد اور شربت ے دو گلاس غٹاغٹ پینے کے بعد وہ کمرے میں واپس آئی تو وہاں رکھی چارپائی پر سونے کی غرض سے لیٹ گئی، ھانے کا فی الحال موڈ نہیں تھا اس لیے وہ انکار کر چکی تھی، چارپائی پر سونا بھی اس کے لیے آسان نہ تھا پر کروٹ کروٹ لیتے بالآخر وہ نیند کی وادی میں اتر ہی گئی۔

☆..........☆..........☆

وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ کتنی دیر تک سوتی رہی ہے کیونکہ وہ لوگ جب یہاں پہنچے تو سہ پہر کا وقت ہو رہا تھا، مگر ب وہ جو اٹھ کر کمرے سے باہر نکلی تو برآمدے میں پانی کا چھڑکاؤ کر کے چارپائیاں رکھی جا چکی تھیں، سب چھوٹے بڑے چارپائیوں پر براجمان تھے، موسم تھوڑا حبس آلود ہو رہا تھا، جس کی وجہ سے Stand فین لگائے ئے تھے، یوں موسم کی گرمی اور حبس میں خاطر خواہ کمی ہوئی تھی، اس کے قدم وہیں کمرے کی ڈیوڑھی پر جم سے ئے تھے، وہ عجیب سی کشمکش میں گھر گئی تھی، اجنبی ماحول، ان دیکھا گاؤں وہ عجیب سی سوچ میں گم تھی۔

"ارے دھی رانی! ادھر آجاؤ"۔ نوراں چاچی کی نظر شاید اس پر پڑی تھی، تبھی انہوں نے اسے پکارا، نوراں چاچی اور آس پڑوس کی کچھ عورتیں مہندی کے تھال سجا رہی تھیں اور آپس میں سندھی میں باتیں بھی کر رہی تھیں، س کا بالکل موڈ نہیں تھا کہ وہ وہاں ان سب کے بیچ جا کر بیٹھے، کیونکہ یہاں گاؤں میں صرف اکا دکا لوگوں کو ہی تھوڑی بہت اردو آتی تھی، ورنہ باقی سب سندھی میں ہی باتیں کرتے، یک دم اسے نیلوفر یاد آئی، وہ جب سے آئی تھی نیلوفر سے ملی نہیں تھی، نیلوفر نے گاؤں کے ہی سرکاری اسکول سے آٹھ جماعتیں پڑھی تھیں، تبھی اس کی ردو خالص تھی۔

"چاچی! نیلوفر کہاں ہے؟"

"بیٹا! وہ پاڑی (پڑوس) میں اپنی بوا کے ہاں (وٹا) مایوں بیٹھی ہے، آج مہندی رکھی ہے، سب مرد بھی جمع ہوں گے، تبھی وہاں بٹھایا ہے، جا اوے زلفی! اوی نوں نیلو کے پاس چھوڑ آ"۔ ضوفی کو جواب دینے کے ساتھ ساتھ پاس کھڑے بچے سے بھی مخاطب ہوتے ہوئے کہا، تبھی آٹھ سالہ بچہ اس کی طرف چلا آیا تو وہ بھی اپنا دوپٹہ ٹھیک سے اوڑھتے ہوئے اس کی ہمراہی میں دروازے کی جانب بڑھی، کیونکہ پاپا نے اسے تھوڑا بہت یہاں کے ماحول کے بارے میں بتایا ہوا تھا کہ یہاں پر عورتیں بڑی سی چادر لیے بغیر گھر سے باہر قدم نہیں رکھتیں، وہ بچہ اسے نیلو کے کمرے تک چھوڑ کر چلا گیا تھا، وہ اندر داخل ہوئی تو حیرت کا ایک اور جھٹکا لگا، نیلوفر کا

پورا چہرہ ایک کپڑے سے ڈھانپا ہوا تھا اور اس کی صرف دو آنکھیں ہی دکھ رہی تھیں، نیلوفر آگے بڑھ کر اس کے گلے لگی، تو اسے تھوڑا ہوش آیا۔

"یار! یہ کیا ہے؟"

"میں وٹا بیٹھی ہوں ناں تو یہ ہمارے میں پہنتے ہیں کہ کسی غیر مرد کو چہرہ نہ دکھائے کیونکہ یہاں سب کا ماننا ہے کہ پھر کنوار (دلہن) پر رونق نہیں آتی"۔ پیلے مایوں کے کپڑوں میں ملبوس نیلوفر نے گاؤں کے اس رواج کے بارے میں بتایا۔

"تمہیں گھٹن نہیں ہوتی اس طرح چہرے کو چھپائے رکھنے سے؟" ضوفی اس کے ہمراہ چارپائی پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"یہاں کے بڑے بزرگوں کا اس رسم کا بہت ماننا ہے، ویسے بھی اگر کمرے میں صرف گھر کی خواتین ہی ہوں تو میں یہ کپڑا چہرے سے ہٹا دیتی ہوں"۔ نیلوفر نے اپنے چہرے پر سے کپڑا ہٹاتے ہوئے کہا، اس نے نیلوفر کی سمت دیکھا تو یہ کیا... روئی روئی سی آنکھیں سرخ انگارہ ہو رہی تھیں۔

"کیا بات ہے ابھی تو گھر سے دور گئی بھی نہیں، ابھی سے آنکھیں جل تھل ہو گئی ہیں؟" اس نے نیلوفر کی اداسی کم کرنے کے لیے شرارت سے چھیڑا، مگر وہ اس کے سینے سے آ لگی۔

"ارے کیا ہوا یار؟" اس نے پریشانی سے اس کی طرف دیکھا۔

"پہلے تم وعدہ کرو یہ بات کسی سے شیئر نہیں کرو گی؟" نیلوفر نے اپنا ہاتھ اس کے آگے کیا۔

"اچھا یار! چلو میں وعدہ کرتی ہوں، لیکن ایسی بھی کیا بات ہے؟" اس نے اپنا ہاتھ اس کی ہتھیلی پر رکھتے ہوئے پوچھا۔

"بات یہ ہے کہ میں اس شادی سے خوش نہیں اور نہ ہی تیار"۔ نیلوفر کی بات پر وہ چونک گئی۔

"مگر یار.....!" اس سے پہلے کہ ضوفی کچھ کہتی یا پوچھتی نیلوفر نے حقیقت بتانی شروع کی۔

"میں اور (تجو) سجاد ایک دوسرے کے بچپن کے ساتھی ہیں اور ایک دوسرے کو پسند بھی کرتے ہیں، میں نے جب بھی شادی کے سپنے دیکھے تجو کے ہی ساتھ دیکھے، ہمارے ہی گوٹھ میں رہتا ہے، غریب ضرور ہے، مگر بہت محبت کرتا ہے، مگر میری تقدیر نے عجب کھیل کھیلا، بابا کا وڈیروں کے آدمیوں کے ساتھ جھگڑا ہوا تھا، جس میں ان کا آدمی مارا گیا جو کہ وڈیرے کا بیٹا تھا، اور یوں بدلے میں پنچایت نے بابا کو یہ فیصلہ سنایا کہ میری شادی وڈیروں کے ہاں ہو، یعنی خون بہا میں مجھے سونپا جائے، اب ان سب میں میرا، تجو کا، ہماری محبت کا کیا قصور ہے؟ سزا تو ہمیں ملی ناں؟ وڈیرے تو ویسے بھی مغرور اور اکھڑ مزاج ہوتے ہیں، اور سنا ہے وہ تو شہر سے بہت کچھ پڑھ کر آیا ہے، لیکن میرا دل راضی نہیں، مجھے نہیں کرنی یہ شادی، بابا کو بھی کہا تھا مگر وہ پنچایت کے فیصلے کے آگے مجبور ہیں"۔ بھیگی آنکھوں اور افسردہ چہرہ لیے نیلوفر نے تمام بات بتائی، جسے سن کر ضوفی تو گویا سن سی ہو گئی، آج تک گاؤں کی رسموں و رواجوں کے بارے میں صرف سنا تھا اور اب یوں حقیقت کو سامنے دیکھ کر تو گویا اس کا خون کھول اٹھا۔

"تم فکر مت کرو، میں اپنے بابا سے بات کروں گی"۔ اس نے تسلی دی۔

"نہیں نہیں یار! تم نہیں جانتیں پنچایت کا فیصلہ سارے گوٹھ کے لوگ مانتے ہیں، کوئی کچھ نہیں کر سکتا"۔ وہ بے بسی سے رو دی۔

"اچھا تم حوصلہ رکھو، کوئی نہ کوئی تو حل ہوگا ہی، سوچتی ہوں میں"۔ وہ بہت غور و فکر سے اس مسئلے کے حل کی تلاش میں مصروف تھی، جب یک لخت ڈھول و شہنائی کی آوازیں گونجنے لگیں، اس کے غور و فکر کا تسلسل ٹوٹ گیا۔

"ارے یہ اتنا شور...؟" اس نے حیرانی سے زور زور سے آتی ڈھول کی آواز سن کر پوچھا۔

"آج مہندی ہے میری"۔ نیلوفر نے افسردہ لہجے میں کہا۔

"یار! تم یوں اداس مت ہو، دیکھو کوئی نہ کوئی تو Solution میرا مطلب حل ہوگا اس شادی کو روکنے کا"۔

"ہاں !! اگر تم یہ شادی کسی طرح روک دو تو میں تمہاری بہت شکر گزار ہوں گی"۔ نیلوفر نے اس کے دونوں ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے التجا کی۔

"ہاں میں سوچتی ہوں کچھ، ویسے میں باہر جا کر دیکھ آؤں...؟" ڈھولک کی اتنی تیز آنے والی آوازوں پر اس کا دل للچانے لگا۔ اس کے اس انداز پر نیلوفر کو بھی ہنسی آ گئی۔

"ہاں، ہاں! بالکل تم جاؤ، یہ رسم شہر میں دیکھی ہوگی اب گوٹھ کی بھی دیکھو"۔ وہ اسے بہت سی تسلیاں اور حوصلے دے کر باہر نکل آئی، ڈھول کی آواز چاچی نوراں کے گھر سے آ رہی تھی، اس کے قدم اس سمت بڑھ گئے تبھی راستے میں چاچی نوراں مل گئیں، ریشم کا ستاروں سے مزین دوپٹہ اوڑھے جگمگ کرتے ستاروں کے بیچ چاند کا ٹکڑا لگیں مگر اس کو اس وقت زہر لگ رہی تھیں، ایسی بھی کیا خود غرضی کہ اپنی اکلوتی بیٹی کو یوں رسم و رواج کی بھینٹ چڑھا دیا۔

"دھی! میں تمہیں ہی بلانے آ رہی تھی، آ جاؤ جی! مہندی کی رسم شروع ہونے والی ہے، تو نے تیار بھی ہونا ہے"۔ گو کہ اس کا بالکل موڈ نہ تھا اب اس ظالم سماج کے کسی رسم میں شامل ہونے کا، مگر مجبوری تھی، سو وہ چپ چاپ تیار ہونے چلی گئی، وہ جب تیار ہو کر باہر نکلی تو چاچی نوراں کی تند نے منع کرنے کے باوجود اس کے بالوں میں موتیوں کا پراندہ بھی گوندھ دیا، اسے اس وقت اپنا آپ دیکھ کر بہت ہنسی آنے لگی، وہ بھی ان ہی کی طرح گاؤں کی لڑکی لگ رہی تھی، صحن میں پہنچی تو حیران ہو گئی، ابھی شام میں جب یہاں سے گئی تھی تب تو کہیں سے نہیں لگ رہا تھا کہ شادی والا گھر ہے، مگر اب تو منظر ہی الگ تھا، صحن میں موجود تخت پر ڈھول شہنائی والے بیٹھے تھے، ساتھ ہی ایک کپڑا بچھا ہوا تھا، ایک طرف عورتوں کا جمگھٹا تھا، ذرا نزدیک جانے پر پتہ چلا کہ دولہے راجا ایک شاندار سی کرسی، جس پر اجرک اور کڑھائی والا غلاف بچھا ہوا تھا، اس پر براجمان تھے، اس کے ساتھ چچا اظفر، پاپا اور بھی ایک دو مرد کھڑے تھے، شاید رشتے دار ہی تھے، جبکہ تھوڑے ہی فاصلے پر چنچل و شوخ لڑکیاں چمکیلے بھڑکیلے لباس زیب تن کیے میک اپ کا کھلا استعمال کیے اور بالوں میں پراندے ڈالے کسی گانے پر عجیب ہی طریقے سے ناچ رہی تھیں، ڈھول کی تھاپ ان کے ناچنے میں اور جوش پیدا کر دیتی، وہیں ساتھ ہی بوڑھی عورتیں ان کے سروں پر سے پیسے وار وار کر ڈھول والے کے پاس بچھے کپڑے پر رکھتی جاتیں۔ ڈھول اور شہنائی والے چارپائی پر بیٹھے اپنے کام کو بخوبی انجام دے رہے تھے، ضوفی بہت غور سے یہ سب دیکھ رہی تھی، تبھی چاچی نوراں کی آواز اس کے کانوں میں پڑی وہ شاید کسی سے اس کا تعارف کروا رہی تھیں۔

"یہ اپنی نیلو کے وڈے تایا کی دھی ہے، کراچی سے آئی ہے"۔ اس نے آواز کے تعاقب میں دیکھا، چاچی نوراں جو کچھ دیر پہلے گوٹھ کی کچھ عورتوں سے اس کے تعارف میں مصروف تھیں اب دولہے کے پاس موجود تھیں،

اس نے غور سے اس کی طرف دیکھا۔ اونچا لمبا ساقد، چوڑا بدن، گھنی مونچھوں تلے عنابی ہونٹ، سفید کرتا پہنے، سر پر سندھی ٹوپی اور کندھوں پر اجرک پھیلی ہوئی تھی، مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے وہ واقعی اکھڑ مزاج اور گھمنڈی انسان لگ رہا تھا اور عمر میں بھی نیلوفر سے 5 یا 7 سال تقریباً بڑا لگ رہا تھا، اپنی طرف دیکھتا پا کر اس نے مسکراہٹ پاس کی، ضوفی کو اس کی مسکراہٹ زہر لگی تبھی وہ رخ موڑ گئی، ڈھولک کی زور زور کی تھاپ، شہنائی کی گونج، بڑی بوڑھی عورتوں کا منچلی لڑکیوں کو پکڑ پکڑ کر ناچنے کے لیے میدان میں لانا اور پھر ان کے سر پر سے پیسے وارنا، یہ سب انوکھا بھی تھا اور نیا بھی۔ نیلوفر کی طرف سے کچھ پلوں کے لیے اس کا جو دھیان ہٹا تو وہ کافی دیر تک اس منظر میں کھو گئی، اسے بھی سب نے ناچنے پر مجبور کیا مگر نہ ہی اسے یوں ناچنا آتا تھا، اور نہ ہی اس کا دل تھا، دولہے کو مہندی لگانے کی رسم شروع ہو چکی تھی، اب چاچی نوراں اور باقی سب عورتیں مہندی اور سہاگ کے گیت گا رہی تھیں۔

یہ سب صبح کے 4 بجے تک جاری رہا، اس کا ارادہ اور خیال تھا کہ اب یہ رسم ختم ہو گئی تو اب سب سوئیں گے، مگر یہ اس کی خام خیالی تھی۔ چاچی نوراں کی زبانی اسے پتہ چلا کہ مہندی کے اختتام کے بعد نکاح و رخصتی ہونی ہے، دولہا بھی بیٹھک میں جا چکا تھا، کیونکہ وہ دوسرے گاؤں سے آیا تھا اس لیے اسے یہیں پاس میں گھر کے قریب بیٹھک میں ٹھہرایا گیا تھا، اسی لیے وہ بھی تیار ہونے جا چکا تھا، اب وہ برات لے کر آنے والا تھا، چاچی نوراں نے اسے بھی باقی لڑکیوں کے ساتھ نیلوفر کو تیار کرنے بھیجا، تب اس کا ذہن نیلوفر کی طرف گیا۔

"اب کیا ہوگا؟" یہ سوال اس کے ذہن میں کوندا۔ وہ تیزی سے باقی لڑکیوں سے بھی پہلے نیلوفر کی بوا کے گھر کی طرف بڑھی، وہاں پہلے سے ہی کچھ عورتیں موجود تھیں، جو دروازے کو پیٹ رہی تھیں، کیونکہ دروازہ اندر سے بند تھا، کچھ انہونی اور خطرے کی گھنٹیاں اس کے اردگرد بجنے لگیں، اس کا وہم ٹھیک نکلا۔

"ہائے، ہائے! چھوری منہ کالا کر کے بھاگ گئی"۔ یہ آوازیں تھیں یا طوفان کی آمد، جس نے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا، وہ سن سی ہو گئی تھی۔

☆..........☆..........☆

کبھی کبھی غیر متوقع واقعات اتنی تیزی سے ظہور پذیر ہوتے ہیں کہ حیرانی کے ساتھ ساتھ کچھ پریشانی بھی ہوتی ہے، دل و دماغ اردگرد سے غافل سے ہو جاتے ہیں، ہر چیز نفرت و غصے کی لپیٹ میں آ جاتی ہے، ابھی کل تک وہ خود بھی یہاں ایک مہمان کی حیثیت سے تھی اور آج پل بھر میں منظر بدل سے گئے تھے، اور اب وہ یہیں کی ہونے جا رہی تھی۔ چچا، چچی کے جھکے ہوئے سر، اردگرد سے اٹھتی دبی دبی سرگوشیاں، سندھی میں دیے جانے والے طعنے، دولہے کا غصہ، اس کے پاپا کی التجا، اتنا سب ہونے کے باوجود اس کا سر خود بہ خود جھکتا چلا گیا، وہ چاہ کر بھی نہ کہہ پائی، کسے کہتی؟ یہاں پاپا کے سوا تھا کون؟ جب باپ ہی خود سوالی بن کر ہاتھ جوڑے بیٹھا تھا، تو وہ کیسے انہیں خالی ہاتھ لوٹا دیتی، وہ نہیں جانتی تھی آنا فاناً سب کیسے ہوا، ممی اور ایپا کا فون بھی آیا تھا وہ چپ چاپ ان کی باتیں سنتی رہی تھی، وہ کیا کہتی کس سے شکوہ کرتی کہاں جاتی؟ ہر راستہ ہی اس کے لیے بند اور مقفل تھا اور رخصتی سے چند منٹ پہلے پاپا اس کے پاس آئے تھے۔

"دیکھو بیٹا! میں بھلے اس گاؤں کا باسی ضرور رہا ہوں، مگر فضول رسم و رواج کو میں بھی نہیں مانتا، مانا کہ یہ سب بہت اچانک اور غیر متوقع ہے، مگر دیکھو بیٹا! میں اتنا بھی خود غرض نہیں ہوں کہ اپنی ہی اولاد کا برا چاہوں، میں بھی اس بات پر Agree نہیں، مگر جب کل عظام شاہ سے ملا اور بات چیت کی تو پتہ لگا، واقعی وہ اوروں سے مختلف ہے، وہ نہ صرف پڑھا لکھا بلکہ سلجھا ہوا انسان ہے، ہر باپ کی طرح مجھے بھی اپنی بیٹی کے لیے ایک

ایسے ہی داماد کی تلاش تھی، شاید قدرت نے جوڑی یوں ہی بنائی ہو، بیٹا! بس میری التجا ہے میرا مان، میری عزت رکھنا، جانتا ہوں ابھی تم بھی اپنی ممی کی طرح مجھ سے ناراض ہو، مگر گڑیا! کبھی کبھی وقت کے ہاتھوں میں ہماری زندگی کی ڈور ہوتی ہے اور پھر وقت ہی ہر بات کا فیصلہ کرتا ہے، ویسے بھی ہر چیز کا ایک صحیح وقت ہوتا ہے ابھی یہ سب اتنا اچانک ہوا کہ تم کیا میں بھی ٹھیک سے اس کو Accept نہیں کر پا رہا، پر صحیح وقت آنے پر میرا فیصلہ، میرا انتخاب تمہیں غلط نہیں لگے گا۔ نیا ماحول، نئی جگہ تمہارے لیے رہنا تھوڑا مشکل ہوگا، مگر مجھے اپنی بیٹی پر پورا بھروسہ ہے کہ وہ وہاں ایڈجسٹ ہو جائے گی نہ صرف ایڈجسٹ بلکہ ایک اچھی بہو بن کر وہاں سب کے دل بھی جیت لے گی، ہے نا بیٹا؟ بس میری دعا ہے سدا خوش رہو، میرا فیصلہ تمہارے لیے ایک اچھا فیصلہ ثابت ہو اور کامیاب زندگی گزارو گی۔" وہ اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر بہت سی دعائیں اور ہدایتیں دے کر چلے گئے۔ اب کیا بچا تھا کہنے کو اور سننے کو؟ اتنا سب ہو چکا تھا کہ آنکھوں سے وہ آنسو بھی نہ ٹپکا سکی۔

☆..........☆..........☆

وہ لوگ جب تک قصبے میں داخل ہوئے، تب تک رات کی تاریکی پھیل چکی تھی، قصبے میں ان کی بڑی سی حویلی شادی کے گھر کا روایتی نمونہ بنی ہوئی تھی، روشنیاں، سجاوٹیں، مہمانوں کا شور وغل، ڈھولک کی تھاپ پر روایتی سندھی گیتوں سے استقبال ہوا۔ وہ ان سب چیزوں سے لاتعلق اجنبی وانجانی عورتوں کے گھیرے میں حویلی میں داخل ہو کر لان، راہداری اور کمرے در کمروں سے گزرتے ہوئے ایک بڑے سے ہال نما کمرے میں پہنچا دی گئی تھی، سر پر موجود اجرک کا بڑا سا گھونگھٹ اس کی گھٹن میں اتنا اضافہ نہیں کر رہا تھا، جتنی اس کے اندر گھٹن موجود تھی۔ کیونکہ اندر کی گھٹن باہر کی گھٹن پر حاوی تھی، اس لیے اسے اس کی نہ پرواہ تھی اور نہ ہی کوئی احساس۔ پتہ نہیں کن کن رسموں سے اس کا سواگت ہوا اور کن کن سے تعارف، وہ تو بس گم صم اور لاتعلق سی بت بنی بیٹھی تھی، تبھی ایک بڑی بی جو شاید حویلی کی بڑی لگ رہی تھیں اس نے اسے منہ دکھائی سے نوازا اور ساتھ ہی ان کے کہنے پر اسے اوپر روم میں پہنچانے کی جسارت کی گئی، تو اس نے سکون کا سانس لیا۔

وہ آج دلہن بنی تھی، مگر دل میں نہ کوئی جذبے تھے اور نہ کوئی امنگ تھی، آنکھوں میں کوئی خواب نہ تھا اور نہ ہی دل کی اوطاق پر خواہشوں کے چراغ خوشیوں کی سرزمین پر روشن تھے۔ اس کا دل ہر طرح کے جذبات سے عاری بنجر زمین کی مانند ہو گیا تھا، بھلا یوں بھی ہونا تھا؟ اس نے کب اس کی سنگت کے خواب دیکھے تھے، جسے اس کا ہمراہی بنا دیا گیا تھا۔ کمرے میں پہنچ کر اس نے جھٹ سے گھونگھٹ الٹ دیا اور ارد گرد نظر دوڑائی اس کا خیال تھا سادہ سا سندھی کلچر کی عکاسی کرتا کمرہ ہوگا، مگر اس کا خیال غلط ثابت ہوا۔ ہلکے پرپل رنگ سے رنگے اس کمرے میں سب کچھ رنگ کی مناسبت سے تھا، گولڈن و پرپل شیڈ کے مخملی پردے، فرش پر بچھا گولڈن و بلیک دبیز قالین، گولڈن لکڑی سے بنا فرنیچر۔ ایک سائیڈ پر دو کرسیوں اور میز رکھ کر سٹنگ روم بنایا ہوا تھا ساتھ ہی دیوار گیر الماری تھی، اس کے ساتھ ہی ڈریسنگ ٹیبل پر بہت سے جینٹس پرفیوم، اسپرے اور بھی پتہ نہیں کیا کیا رکھ کر سجایا گیا تھا۔ بیڈ کے بالکل سامنے شوکیس پر بڑا سا ایل ای ڈی، نیچے سی ڈی پلیئر، ڈی وی ڈی اور ریک میں موجود ترتیب سے رکھی کتابیں کمرے کے مکین کے ذوق کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ وہ بیٹھے بیٹھے اکتا گئی تو اجرک نما بڑے سے دوپٹے کو اتار کر بیڈ پر رکھا اور ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے جا کر کھڑی ہو گئی، جو سوٹ وہ نیلوفر کی شادی میں پہننے کو لائی تھی وہی زیب تن کیا ہوا تھا، پنک کلر کا جارجٹ کا سوٹ تھا جس پر ہلکا ہلکا ستاروں کا کام تھا، اور ابھی اسی سوٹ میں وہ برائے نام دلہن بنی ہوئی تھی۔ برات کے ساتھ آیا نیلوفر کے لیے سامان بمعہ زیورات اس

وقت اس کے بدن پر سجا ہوا تھا، یک دم اس کی آنکھوں میں مرچیں سی بھرنے لگیں۔

"کیا کوئی ایسی بھی دلہن ہوگی؟ کیا کسی کی ایسی بھی شادی ہوتی ہوگی؟ جسے نہ مہندی لگی، نہ تیار کیا گیا، نہ سرخ جوڑا پہنایا گیا، جسے نہ اپنے سسرال کی خبر نہ اپنے شوہر کا پتہ۔" اسے یک لخت بے تحاشا رونا آیا تھا، اس نے نوچ نوچ کر اپنے جسم پر سجا سارا زیور اتار کر ڈریسنگ ٹیبل پر ڈھیر کر دیا، وہ اپنی بے بسی کے ماتم میں اس قدر کھو گئی تھی کہ اسے پتہ ہی نہ چلا کہ کوئی روم میں داخل بھی ہو چکا ہے، نہ صرف داخل بلکہ بیڈ پر بیٹھا اس کی ساری کارروائی دیکھ رہا ہے۔

"یہ سب کرنے سے تمہیں سکون ملتا ہے تو بے شک کرو، مگر ایک بات یاد رکھنا، یہ رونا دھونا یہ سوگ، یہ ماتم تم اس کمرے کی چار دیواری تک محدود رکھنا، ہم اس قصبے کے وڈیرے ہیں، بہت عزت ہے ہماری، ہماری عزت پر آنچ بھی آئے یہ ہم برداشت نہیں کریں گے۔" عقب سے آنے والی مخالف کی آواز پر وہ چونکی اور پلٹی، کلف والا بلیک سوٹ پہنے سر پر اجرک کی ہی پگڑی پہنے پھولوں کا ہار اتار کر بیڈ پر رکھتے ہوئے اس سے مخاطب تھا۔ اس کے اور عظام شاہ کے درمیان تین سے چار قدموں کا فاصلہ تھا، اس کے جذبات، احساسات سب لاپتہ تھے، وہ ریت کی بھربھری دیوار کی مانند محسوس کر رہی تھی، اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ جائے تو کہاں؟ آگے کنواں پیچھے کھائی کی مانند آگے وہ شخص موجود تھا، جس کے اقرار کی وجہ سے آج اس کا اپنا وجود ہی بدل چکا تھا، وہ صوفی سے صوفی شاہ بن گئی تھی، سامنے موجود شخص اس کا مجازی خدا تھا۔ قانوناً اور شرعاً اسے حق تھا، تبھی اچانک وہ خود ہی اس کے قریب چلا آیا، ایک ہاتھ سے اپنی شرٹ کے بٹن کھولے جبکہ دوسرا ہاتھ اس کی کمر کے گرد حمائل کرتے ہوئے اسے اپنی طرف کھینچا۔

"تم لڑکیاں اپنے آپ کو کیا سمجھتی ہو، بہت مہان، بہت بڑی چیز.... تم لوگ یہ کیوں بھول جاتی ہو کہ جن مردوں کو تم اپنے آگے پیچھے گھما سکتی ہو، وہ چاہے تو تمہیں اپنی غلام بنا کر رکھے، اور تم لوگوں کی حیثیت بھی کیا ہے اس کے سامنے ایک جوتی ہی کے برابر۔ تم خوبصورت ہو مگر تمہارا یہ حسن آج تمہارے لیے باعث عذاب ہوگا۔" اگلے ہی پل صوفی کی گھٹی گھٹی چیخیں اس کے سینے میں ہی دم توڑنے لگیں، بالکل اسی طرح اس انوکھی اور البیلی شب زفاف کا حال بھی مختلف نہ تھا، اپنا حق سمیٹ کر کسی فاتح جرنل کی مانند اپنی فتح اور مردانگی کے نشے میں چور بے خبر وہ سو چکا تھا جبکہ اس کی چیخیں، آنسو اس کے اندر ہی دم توڑ چکے تھے، آنکھیں شدت گریہ سے سرخ ہو چکی تھیں۔

"پڑھا لکھا، سلجھا ہوا شریف انسان....!" پاپا کے کہے الفاظ اس کے ارد گرد کھڑے اس کی بے بسی اور حالات پر ہنس رہے تھے، شدت سے اس کا دل چاہ رہا تھا کہ کاش کوئی اپنا ہو جسے وہ اپنے دل کا حال سنائے، جس کے گلے لگ کر وہ اس انسانی شکل کے بھیڑیے کے کرتوت بتا سکے، جس نے نجانے کس بات کا اس سے بدلہ لیا تھا، مگر آس پاس اس کی آہوں و آنسوؤں کے سوا کوئی نہ تھا، نہ جانے کب یوں ہی صوفے پر بیٹھے بیٹھے اس کی آنکھ لگ گئی تھی۔

☆..........☆..........☆

اس کی اس بے نام سی شادی کو تین دن ہو چکے تھے، اس کا ولیمہ دوسرے ہی دن بڑے دھوم دھام سے رکھا گیا تھا، پورے قصبے اور حویلی کو خوب سجایا گیا تھا، ہر طرف جشن کا سماں لگ رہا تھا، اس کے پاپا، اظفر چاچا وغیرہ اس کی طرف سے شامل تھے جبکہ ممی نہیں آئی تھیں، کیونکہ وہ اب تک دونوں باپ بیٹی سے ناراض تھیں۔ یاسر

ب سے ناراض ہونے کا جواز تو بنتا تھا، مگر ضوفی سے ناراضی کی وجہ اس کی خاموشی تھی کہ اس نے بلا چوں ں رضامندی کیسے دے دی۔ ان تین دنوں میں وہ اپنے سسرال والوں کے بارے میں تھوڑا بہت جان چکی ۔ ویسے بھی اس کے سسرال میں تھے ہی کون ایک بیمار تایا جی، اماں جنجل دادی عظام شاہ اور دانیہ عظام شاہ ین باقی کچھ نوکر چاکر یہ تھے حویلی کے مکین۔ تایا خادم علی اپنے اکلوتے اور جوان جہان بیٹے کی وفات کے چارپائی سے لگ چکے تھے جبکہ اماں جنجل کا نچلا دھڑ ایک حادثے میں پیرالائز ہو چکا تھا، اس لیے وہ ہمہ وقت چیئر پر ہی ہوتی تھیں، دانیہ نے پہلے قصبے سے ہی میٹرک کیا تھا اور پھر آگے اسے اس کے بھائی نے ہی یا تھا، کیونکہ گاؤں میں زیادہ تعلیم کا رواج عام نہ تھا یہی حال کچھ قصبے کا تھا، ان تین دنوں میں وہ ان ں سے کافی گھل مل گئی تھی اور یہ اس کے سسرالیوں کی بدولت ہی تھا، جو کہ بہت سادہ دل اور مخلص تھے، وہ ی دل جوئی میں ہمہ وقت لگے رہتے تھے، نیلوفر کی شادی کی غرض سے آتے ہوئے وہ دو سے تین جوڑے لائی تھی، اسے کیا پتہ تھا کسی اور کی شادی میں شرکت کرتے کرتے وہ خود Miss سے .Mrs بن جائے گی، ہی اماں جنجل نے ہی آس پاس کی کسی درزن سے اس کے لیے کچھ کپڑے سلوا لیے تھے اور کچھ سلوانے ے تھے، عظام شاہ سے اس کا سامنا ولیمے کے بعد سے اب تک نہیں ہوا تھا، اسے پتہ چلا تھا کہ وہ کسی ضروری م سے حیدرآباد گیا ہوا تھا۔ وہ تینوں حویلی کے باغیچے میں بیٹھی ہوئی تھیں، جب ہی شام کی چائے لیے ماسی جراں چلی آئی، ضوفی اماں جنجل کے سر میں تیل سے مالش کر رہی تھی، حالانکہ ان کاموں کے لیے ملازمہ تھی مگر ق چڑھے والی، بے لوث اور پرخلوص سی اماں جنجل میں اسے ایک پدرانہ پرشفیق بزرگ مل گئی تھیں، وہ بھی ے ایک بیٹی کی طرح چاہتی تھیں، تبھی ضوفی کو بھی ان کے پاس بیٹھنا اور ان کے کام بڑھ چڑھ کر کرنا اچھا لگتا ۔ آخر اس زبردستی کی شادی میں بڑی بی اور اس سیدھی سادی دیہاتی لڑکی کا کیا قصور تھا، ان کے خلوص، پیار و انیت کے بدلے میں اتنا کرنا تو اس کا بھی حق بنتا ہی تھا۔ تبھی برابر میں رکھی کرسی پر سیل بیپ ہوا، گلفشاں آپی کی کال آئی تھی، ان سے بات کر کے اس کے دل کا بوجھ کچھ کم ہو گیا تھا۔

"دھی رانی! تیری شاہ پتر سے کوئی بات ہوئی؟ نئی نویلی کنوار کو چھوڑ کر خود شہر جا بیٹھا ہے"۔ وہ جو کال سلکیٹ کر کے بیٹھی تھی، اماں جنجل کی اس اچانک بات پر وہ بوکھلا گئی۔

"وہ اماں! ادا کا نمبر بھرجائی کے پاس نہیں، میں کرلوں گی کال"۔ دانیہ نے بروقت بات سنبھالی تو اس نے شکر آمیز نظروں سے دانیہ کی سمت دیکھا، جہاں چنچل مسکراہٹ نے ضوفی کو کسی اپنے کے آس پاس ہونے کا احساس دلایا۔

"بات سن! نمبر لے آ ادا کا، اور بھرجائی کو دے"۔ اماں جنجل کے حتمی انداز پر چاروناچار دانی نے ضوفی کو نمبر دیا۔ ضوفی چاہ رہی تھی کہ اسے بات نہ کرنی پڑے، مگر اماں جنجل کے اصرار پر اسے کال ملانی ہی پڑی۔

"السلام علیکم! جی وہ آپ گھر کب آئیں گے؟" سلام کے ساتھ ہی اس نے اپنا مدعا بیان کیا۔

"آپ کون ہوتی ہیں پوچھنے والی؟ بہتر ہوگا کہ آپ اپنے کام سے کام رکھیں"۔ دوسری طرف سے آتی کاٹ دار آواز نے اس کی بولتی ہی بند کروا دی تھی۔

"کنوار! کیا کہہ رہا ہے شاہ پتر؟ کب تک آئے گا واپس؟" وہ جو کچھ سیکنڈ کے لیے ساکت سی کھڑی ہو گئی تھی، اماں جنجل کی آواز پر چونکی، جن کی سوالیہ نظریں بے چین تھیں جواب سننے کے لیے۔

"وہ... اماں پوچھ رہی ہیں کہ آپ کب تک آئیں گے؟" رکتے جھجکتے اس نے اپنی بات مکمل کی۔

"اوہ... اچھا ان سے کہنا میری فکر نہ کریں، میں آجاؤں گا جلد، بس کچھ ضروری کام نمٹانے ہیں اور آئندہ مجھے کال مت کرنا سمجھیں تم؟" پھنکارتے ہوئے لہجے میں اس نے کال ڈسکنیکٹ کر دی تھی۔ اماں جنجل اس کے جواب کی منتظر تھیں۔

"وہ اماں! وہ کہہ رہے ہیں کہ کچھ کام ہیں وہ نمٹا کے جلدی آجائیں گے"۔ اس نے اپنے لہجے کو نارمل بناتے ہوئے کہا۔

"چلو اچھا ہے، تم نے بات کر لی، اب دیکھنا اپنی نئی نویلی زال کی آواز سن کر دوڑا چلا آئے گا"۔ اماں جنجل نے مسکراتے ہوئے کہا، جواب میں وہ مسکرا بھی نہ سکی تھی، اس کے دل پر منوں بوجھ آ پڑا تھا، اماں جنجل کو ماسی حاجراں اندر لے جا چکی تھیں، اب لان میں دانی اور ضوفی ہی بیٹھے تھے۔

"بھرجائی!" تبھی دانی کی آواز پر وہ اپنی سوچوں کے دائرے سے باہر نکلی۔

"پتہ ہے بھرجائی! جب ہمیں نیلوفر کا پتہ چلا اور ساتھ ہی ادا نے فون پر آپ کا بتایا، کیونکہ اماں جنجل کی معذوری اور پھر تایا جی کی ناساز طبیعت کو دیکھتے ہوئے ہم برات میں نہیں آئے تھے، تبھی ادا نے آپ کا یوں افراتفری کے نکاح کا سن کر ہم سب گم صم ہو گئے تھے۔ لاتعداد اندیشے اور فکریں ستانے لگی تھیں کہ کہیں غصے اور جلد بازی میں ادا نے غلط انتخاب اور غلط فیصلہ نہ کرلیا ہو، اماں جنجل اور تایا جی کا یہی کہنا اور سوچنا تھا کہ آپ شہر کی ہیں، یہاں کیسے رہ پائیں گی اور کیسے سب سمجھیں گی، مگر سب کے اندازے غلط ثابت ہوئے، آپ تو بہت اچھی نکلیں، سب ڈر سب فکریں اڑن چھو ہو گئیں، سچ کہوں تو آپ جیسی پیاری اور اچھی بہو اس حویلی کو Deserve کرتی ہے"۔ دانی کی باتیں سن کر ضوفی کے چہرے پر دھیمی سی مسکراہٹ ابھری۔

"بھرجائی! ہمیں پتہ ہے یہ سب جو اچانک ہوا ٹھیک نہیں ہوا، یوں جلد بازی میں، پر یقین مانیے بھرجائی! ہم بھی آپ کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کریں گے، یہاں آپ کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی"۔

"اور تمہارا بھائی جو مجھے تکلیف دے گیا، میرے ساتھ جو زیادتی کر گیا، اس کا ازالہ کون کرے گا؟" ضوفی نے دل میں سوچا۔

"اچھا بھرجائی! میں سوچ رہی تھی کہ روایتی دلہنوں کی طرح آپ کا سولہ سنگھار نہیں ہوا، اتنی افراتفری میں شادی ہوئی کہ نہ مجھے اپنے ارمان نکالنے کا موقع ملا اور نہ ہی آپ کو مہندی لگانے کا، تو کیوں ناں ایک بار پھر سے آپ کو دلہن بنایا جائے؟" دانیہ اپنی بات کہہ کر فوراً سے پیشتر بھاگ کھڑی ہوئی، ضوفی جو اس کی باتیں غور و فکر سے سن رہی تھی، اس کی آخری بات پہ چونکتے ہوئے اس کے پیچھے لپکی۔

"ادھر آؤ میں تمہارے سارے ارمان نکالوں"۔

"پر بھرجائی! آپ پہلے دلہن تو بن جائیں، میرے ارمان خود ہی نکل جائیں گے"۔ وہ دونوں آگے پیچھے لان میں ادھر سے ادھر بھاگ رہی تھیں، جبکہ تایا جی جن کا کمرہ حویلی سے الگ لان کی طرف ان کی فرمائش پر بنایا گیا تھا وہ اپنی کھڑکی سے لان کے اس باغیچے میں اڑتی ان دو تتلیوں کو دیکھ کر مسکرا دیے۔

☆.........☆.........☆

آج صبح سے اس نے حویلی کے ذاتی کاموں کی ذمے داری سنبھالی ہوئی تھی، حالانکہ اماں جنجل نے ضوفی کو منع بھی کیا مگر اس پر جو کاموں کا بھوت سوار ہوا تھا، وہ اتنی آسانی سے اترنے والوں میں سے نہ تھا، وہ شروع سے ہی ایسی تھی، جس کام کا ارادہ کرتی اسے اختتام تک پہنچا کے ہی دم لیتی، شروعات اس نے اپنے اور شاہ کے

ے کی، یوں تو شاہ کا روم ٹھیک ٹھاک تھا مگر اسے ٹھیک طرح سے ترتیب کیا جاتا تو اور بھی بہتر لگتا، تبھی وہ ملازموں کو لے کر سیٹنگ چینج کرنے میں لگ گئی، گیلری جس کی آرائش پہلے مصنوعی گھاس کو پورے فرش کر اور سائیڈ میں دو ایزی چیئرز رکھ کر کی گئی تھی، ضوفی نے وہاں بھی اپنی فنی صلاحیتوں کے جوہر دکھائے، ے پہلے اس نے چیئرز کو باہر نکال کر ملازم سے یہاں کین سے بنی باسکٹ چیئرز منگوا کر لگانے کا آرڈر ، ساتھ ہی مالی بابا سے اس نے باغ میں موجود کچھ چنبیلی، گلاب اور گل داؤدی جیسے پودوں کے گملے لاکر ی کی ایک سائیڈ پر ترتیب سے لگائے، ساتھ ہی کچھ مصنوعی بیلوں سے گیلری کی دیوار کو آراستہ کیا۔ اب ے روم کی یہ گیلری ایک چھوٹے سے باغ کا منظر پیش کر رہی تھی، ان کاموں سے فارغ ہوکر اس نے گلاب ر ایک لائٹ سے کلر کا پردہ لگوا دیا، ملازمین کے ساتھ ساتھ دانیہ نے بھی اس کی سیٹنگ اور چینجنگ کی کافی ب کی، پھر وہ نیچے آگئی، پہلے سوپ بنا کر اماں جنجل اور تایا جی کو بھجوایا اور پھر کچن کے شیلف، کیبنٹ سب ر کے مصالحوں کے جار اور باقی سب سامان کو اپنی ترتیب سے رکھوایا، کچن میں اس نے منی پلانٹ رکھوا کر خوبصورت سا تاثر دیا تھا، یوں سہ پہر تک وہ اچھی خاصی مصروف رہی تھی، لنچ کرکے فارغ ہونے کے بعد نے اپنے کمرے کا رخ کیا اس کا موڈ تھا کہ وہ ایک فریش Bath لے کر کچھ دیر آرام کرے گی، اماں جنجل دیے ہوئے سوٹوں میں سے اس نے ایک پیازی رنگ کا خوبصورت سا سوٹ نکالا جس پر ہلکی ہلکی سی سندھی حائی ہوئی تھی، نہانے کے بعد اسے اپنا آپ کافی ہلکا پھلکا اور فریش محسوس ہونے لگا تھا۔ تبھی اس کی پلکیں ل ہونے لگیں۔ اس کی آنکھ روم کے ڈور پر ہونے والی ہلکی ہلکی سی دستک پر کھلی، وہ دروازے کی جانب بڑھ ، جہاں دانیہ موجود تھی۔

”بھرجائی! اوہ...!“ وہ جو دروازہ وا ہوتے دیکھ کر بولنے لگی تھی، ضوفی پر نظر پڑتے ہی چپ ہوگئی۔

”واہ بھرجائی! بڑی سوہنی لگ رہی ہو آپ تو، بس ذرا سی کمی ہے۔“ وہ اس کا ہاتھ تھامے اپنے روم میں لے ا۔

”ارے پہلے بتاؤ تو تم کیا کہنے آئی تھیں؟“ ضوفی نے اس کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”وہ بھی بتا دوں گی، پہلے جلدی سے فریش ہوکر آئیں میں ویٹ کررہی ہوں آپ کا۔“ دانی، ضوفی کو واش م کی جانب دھکیلتے ہوئے بولی، فریش ہونے کے بعد جب وہ باہر آئی تو دانی جیولری میں الجھی نظر آئی۔

”ارے یہ سب کیا ہو رہا ہے؟“

”بھرجائی! میرے پاس کوئی موتیوں کا جڑاؤ ہار نہیں، آپ کے پاس ہے تو مجھے دیں گی پلیز؟“ دانیہ نے تجا کرتے ہوئے کہا۔

”ارے ہاں بالکل، اماں نے ہی مجھے منہ دکھائی پر دیا ہے، رکو! میں لے کر آتی ہوں۔“ اگلے چند منٹوں میں وہ ہار کا ڈبا اٹھائے دانی کے روم میں تھی۔

”دانی! آج کچھ خاص ہے کیا؟ ملازم بھی سب یہاں سے وہاں الرٹ ہوکر بھاگ دوڑ کررہے ہیں، پھر یہ سب تمہاری تیاری...؟“ دانی بھی خلاف معمول آج نک سک سی تیار ہوئی تھی۔

”جی بھرجائی! آج کچھ اسپیشل ہے، مگر پہلے آپ کو میری بات ماننی ہوگی، جلدی سے یہ ہار پہن لیں۔“ دانی نے جواب دینے کے ساتھ ساتھ وہی جڑاؤ ہار ضوفی کی طرف بڑھایا۔

”اتنا حبس زدہ ماحول ہو رہا ہے، ارے یہ سب...؟“ ضوفی نے الجھن سے کہا، مگر دانیہ نے ضوفی کے منع

کرنے کے باوجود اسے پہنا دیا، اماں جنجل نے بھی جڑاؤ موتیوں کا پورا سیٹ دے ڈالا تھا، جو کہ جھمکوں اور دو عدد کنگن پر مشتمل تھا۔

”اتنے حبس زدہ موسم میں یہ بناؤ سنگھار!“ اس نے کوفت سے آئینے میں اپنا عکس دیکھا۔

”اف بھرجائی! اتنی نویلی دلہن تو پتہ نہیں کیا کیا پہنتی ہے اور ایک آپ ہیں کہ سادگی کی مورت... اچھا چلیں میں آپ کو زیادہ تیار نہیں کرتی، حالانکہ میرا فل موڈ تھا آپ پر اپنے ہنر کو آزمانے کا، لیکن چلیں پھر کسی اور وقت۔ فی الحال آپ صرف لپ اسٹک لگالیں، کاجل تو ویسے ہی آپ نے لگایا ہوا ہے۔“ دانیہ نے ٹھیک ٹھاک اس کی کلاس لیتے ہوئے Red لپ اسٹک اس کی جانب بڑھائی۔

”اف یہ کلر... ناں بابا... یہ اتنا تیز چبھتا ہوا کلر I don't like“ ضوفی نے فوراً انکار کردیا جس پر دانی نے ناراضی جتاتے ہوئے منہ پھلا لیا۔ ایک ہی تو یہاں اس کی سہیلی تھی وہ کیسے اس کی ناراضی برداشت کرتی، تبھی طوعاً و کرہاً اسے لگانی پڑی، تبھی فرط مسرت کے مارے دانیہ اس کے گلے لگ گئی۔

”اچھا بس ہاں! یہ لاڈ پیار بعد میں، اب اصل بات پر آؤ جلدی۔“ ضوفی نے تھوڑا رعب جتاتے ہوئے کہا۔

”ہائے ربا، بھرجائی! آپ تو سچ مچ کی فلموں والی بھرجائی لگ رہی ہو، اچھا نیچے چلیں ساتھ ہی، پھر خود دیکھ لیجئے گا۔“ جب وہ اس کے ہمراہ نیچے موجود بڑے سے ہال نما ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی تو حیرت و خوشی سے اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

”وہی رانی! آ جاؤ بیٹا!“ اماں جنجل کی آواز اسے حال میں لائی تو وہ ”ممی، پاپا“ کہتے ہوئے اندر کی جانب بڑھی، ممی، پاپا سے ملتے ہوئے آنسو خود بخود آنکھوں کی پلکوں کی قید سے آزاد ہوکر اس کے گالوں پر بکھرنے لگے۔ دل کا بوجھ ہلکا ہوا تو اس نے اپنے سامنے نظر دوڑائی، پتہ نہیں کس وقت وہ آیا تھا شاید تب جب وہ سو رہی تھی اور اب ایک ٹانگ پر دوسری ٹانگ چڑھائے سامنے صوفے پر بڑا جان مہذب بنا بیٹھا تھا، جیسے اس سے زیادہ شریف اور معصوم انسان شاید ہی کوئی اور ہوتا یہاں... پرتکلف ڈنر کے اہتمام پر وہ حیران تھی کہ اتنی سب تیاری اتنے کم وقت میں کیسے ہوگئی؟ جبکہ کچھ بازاری آئیٹم بھی تھے کھانے میں۔ ڈنر کے بعد جب چائے بنا کر وہ سب کو سرو کررہی تھی، تبھی تنہائی پا کر ممی نے گھما پھرا کر سب کے رویے کے بارے میں دریافت کرنا چاہا، اسے شکایت ہوتی تو کہتی ناں۔ دانیہ، اماں جنجل، تایا جی کہ ملازم تک سب اتنے اچھے اور پرخلوص لوگ تھے، پر جیسے ہی اس کے لبوں پر شاہ کا نام آیا فوراً سے پیشتر ممی نے کہا۔

”ہاں بیٹا! میں جانتی ہوں سب، تمہارے پاپا سے میں بہت لڑی تھی کہ آخر ایسا ظلم میری ہی بیٹی کے ساتھ کیوں؟ اپنے گاؤں کے رسم و رواجوں کی بھینٹ میری لاڈلی بیٹی کو کیوں چڑھا دیا؟ مگر جب عظام ہمیں لینے گھر آیا ہم سے ملا، پھر راستے بھر اس کی باتیں، ہمارے لیے اس کی نظروں میں عزت و احترام دیکھ کر مجھے بھی تمہارے پاپا کے انتخاب پر فخر ہوا۔ اور پھر باقی اندیشے تمہاری نند، بی جی وغیرہ سے مل کر دور ہوگئے، تمہیں یاد ہے ناں میں اکثر کہا کرتی تھی کاش! میرا اپنا بیٹا ہوتا، آج عظام سے مل کر یہ خواہش پوری ہوگئی۔ کیا کوئی ماں باپ ہوں گے اتنے خوش نصیب جنہیں اتنا اچھا گھرانہ اور سمدھیانہ ملا ہو اپنی بیٹی کے لیے؟ یوں تو گلفشاں کا شوہر بھی بہت اچھا ہے مگر مجھے اس کی طرف سے کبھی ٹینشن نہیں لینی پڑی، کیونکہ سسرال نام ہے اس کا سامنا ہی نہیں پڑا۔ تمہاری طرف سے بہت پریشان تھی اور یہاں آکر میری سب فکریں خوشیوں کے رنگین پانی سے دھل گئیں،

...ا جوڑیاں تو اوپر والے نے پہلے سے ہی بنائی ہوتی ہیں، بس شاید قسمت میں تم دونوں کے ملن کا ساتھ یوں ہی ...لکھا ہو، تم سچ پوچھو تو یہ ملنسار اور سادہ لوگ بہت اچھے ہیں، ہم سے بھی زیادہ انہیں تمہارا خیال ہے، سب کے ...وں میں تمہارے لیے پیار اور مان ہے، لیکن پھر بھی تم یہاں مس فٹ ہو، تکلیف میں ہو، کوئی شکایت ہو تو بول ...ا مگر بس ایک التجا ہے، ہمارا بھی مان رکھنا۔ کیونکہ یہ شادی جو اتفاقیہ طور پر ہوئی تھی مگر اب بھی وہ ڈور ہے جسے ...ے رکھنا تا عمر تمہارا فرض ہے اور ذمے داری بھی، مجھے اپنی سمجھدار بیٹی پر پورا بھروسہ ہے۔" ممی کا لہجہ راحت ...ساں تھا، جبکہ ضوفی کے ہونٹوں پر مچلتی شکایت دم توڑ گئی، چاہنے کے باوجود بھی وہ کچھ نہ کہہ پائی، رات گہری ...ونے سے پہلے پہلے وہ لوگ نکل گئے تھے، کیونکہ آج موسم کے تیور بھی کچھ ٹھیک نہ تھے اور پھر انہیں چاچی نوراں ...ی طرف بھی جانا تھا، جاتے جاتے وہ کافی سارا سامان، کپڑے، جیولری، ضوفی کی سب فیورٹ چیزیں وغیرہ ...ے کر گئے تھے، حالانکہ اماں جنجل نے منع بھی کیا تھا۔ مگر اس کی ممی کا اصرار تھا کہ انہوں نے اپنی بیٹی کو کچھ بھی ...نہیں دیا، اس لیے یہ سب ان کی بیٹی کا حق ہے اور اس کی ادائیگی ان لوگوں پر فرض۔ اور یوں ایک اچھے دن کا ...اختتام ہو گیا تھا۔ آج وہ دل سے عظام شاہ کے اخلاق اور اپنائیت کی قائل ضرور ہوئی تھی، مگر پھر بھی گزری کچھ ...راتیں اب بھی اسے خوف میں مبتلا کرنے کے لیے کافی تھیں، اس کا خیال تھا کہ عظام کی واپسی اب صبح تک ہی ...ہو گی مگر اس کی یہ خام خیالی ہی تھی، آدھی رات کے جانے کس پہر اس کی واپسی ہو چکی تھی۔

☆..........☆..........☆

فضا میں آمد بہار کی آہٹیں تھیں، ہلکی ہلکی دھوپ اور کمروں میں خوشگوار ٹھنڈک کا احساس، ایسی خوشگواریت ...طاری تھی، ایک بہت ہی خوبصورت دن کا آغاز تھا، ہوا کی شوریدہ سری میں اضافہ ہو گیا تھا، گیلری کے ڈور پر لگی Swinggle کی مدھم مدھم سریلی آواز کانوں میں جلترنگ کی آواز بہت پیارا تاثر دے رہی تھی، وہ فریش ...ہو کر نیچے چلی آئی، ناشتے وغیرہ سے فارغ ہو کر وہ دانیہ سے گاؤں کے ماحول اور آس پاس کی بیگموں کے ...بارے میں باتیں کرنے لگی۔

"کنوار! شاہ پتر نہیں اٹھا کیا اب تک؟" اماں جنجل نے جو پاس بیٹھی تسبیح پڑھ رہی تھیں، ضوفی کو مخاطب کیا۔

"وہ اماں...! اماں! شاہ پتر اٹھ گئے ہیں اور انہوں نے اپنے ہی کمرے میں کنوار کے ہاتھ ناشتہ منگوایا ہے۔" وہ جو جواب دینے ہی لگی تھی تبھی اماں حاجراں نے آ کر اطلاع دی۔

"جا کنوار پتر! اپنے شوہر کو ناشتہ دے آ۔" اماں جنجل نے اسے اوپر روم میں ناشتہ لے جانے کو کہا تو وہ بھی ناشتے کی ٹرے لیے روم کی جانب بڑھ گئی۔ واش روم سے پانی گرنے کی آواز آ رہی تھی، وہ سائیڈ ٹیبل پر ناشتے کی ٹرے رکھ کر مڑنے ہی لگی تھی، تبھی اس نے روم کا جائزہ لیا، بیڈ کی چادر سرک گئی تھی، ایک جانب عظام شاہ کے شوز پڑے تھے، وہ کمرے کی حالت سدھارنے لگی، میوزک سسٹم پر راحت فتح علی خان کا "یہ جو ہلکی ہلکی خماریاں ہیں، محبتوں کی تیاریاں ہیں" دھیمی دھیمی آواز میں پلے ہو رہا تھا، بیڈ پر موجود عظام کے آئرن شدہ کپڑوں کو صوفے پر رکھ کر وہ بیڈ شیٹ درست کرنے لگی، تبھی واش روم کا دروازہ کھولنے اور بند ہونے کی آواز سن کر وہ پلٹی سامنے وہ صرف تاول لپیٹے اس کے سامنے تھا، اس کا کسرتی بھیگا جسم بہت نمایاں تھا، گیلے بال پیشانی پر بکھرے ہوئے تھے، ایک پورا مردانہ وجاہت سے بھرپور انسان اس کے سامنے تھا، یک دم اس نے نظریں چرا لیں۔

"یہ آپ کا ناشتہ۔" وہ ٹیبل کی طرف اشارہ کر کے جانے لگی، تبھی وہ اس کے بالکل سامنے آ کھڑا ہوا۔

"ارے اتنی بھی جلدی کیا ہے جانے کی، میری غیر موجودگی میں تو بڑے دھڑلے سے اس روم میں گھسی چلی آتی ہو، ہر چیز اپنی مرضی سے کرنے لگ جاتی ہو۔" اس نے سیدھا روم کی چینجنگ پر چوٹ ماری تھی۔

"اور یہ جو کپڑے تم نے صوفے پر رکھے بلکہ پھینکنے کی جرأت کی ہے، تو اب انہیں پھر سے پریس کرنے کی زحمت بھی کر دیجیے۔"

"آپ بلاوجہ مجھے تنگ نہ کریں، آپ کے سب سوٹ پریس کر کے ہینگ کیے ہوئے ہیں، ان میں سے پہن لیجیے کوئی۔" ضوفی نے جانے کے لیے پر تولتے ہوئے کہا۔

"لیکن مجھے تو یہی سوٹ پہننا ہے، آپ کا شوہر ہوں اور میری بات ماننا آپ کا فرض ہے۔" اس نے ضوفی کے چہرے کے اتار چڑھاؤ اور مروڑتی انگلیوں کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ میرے شوہر ہیں مالک نہیں، میں بھی آپ کی بیوی ہوں کوئی نوکرانی نہیں۔" وہ بدو جواب دیتے ہوئے اس نے اس کی آنکھوں میں دیکھا، مگر گہری براؤن آنکھوں میں دیکھنے کی تاب نہ رہی تھی اس میں، ضوفی نے گھبرا کر فوراً نظریں جھکا لیں۔

"اف... یہ انداز آپ کے، دل چاہ رہا ہے کہ...!" ادھوری بات کہہ کر وہ اس کی سمت بڑھا مگر اس سے پہلے کہ وہ قریب آتا، وہ اس کے پاس سے گزرتے ہوئے جلدی سے دروازے کی طرف بڑھی، مگر عظام شاہ بھی شاید اس کے بھاگنے کے ارادے کو بھانپ گیا تھا، تبھی وہ اس سے بھی پہلے ایک ہی جست میں دروازے پر پہنچ کر اس کے ہینڈل پر ہاتھ رکھ چکا تھا، جبکہ ضوفی کا ہینڈل پر رکھا ہاتھ عظام شاہ کے سخت ہاتھ کے نیچے دب گیا تھا۔

"ارے بیگم جی...! اتنی بھی کیا جلدی ہے جانے کی، آیئے ناں ساتھ ناشتہ کرتے ہیں۔" ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ لاتے ہوئے عظام نے اسے اپنی بانہوں کے حلقے میں لیا، عظام کے گیلے بدن سے لگ کر اس کے کپڑے بھی گیلے ہونے لگے تھے۔

"وہ مجھے چھوڑیں پلیز، مجھے جانا ہے۔" اس نے منمناتے ہوئے کہا، اس کی آنکھیں پانی سے جھلمل ہو گئی تھیں، عظام نے اس کی طرف دیکھا، بلیک فٹنگ ہاف سلیوز سوٹ میں اس کا قیامت خیز حسن و خوبرو ہوش ربا سراپا اس کی آنکھوں کے سامنے تھا، اپنے لبوں کو بے دردی سے کچلتی، گھبرائی شرمائی اس وقت اسے وہ سب سے حسین لگ رہی تھی، وہ آگے بڑھ کر تمام فاصلے سمیٹ دینا چاہتا تھا، ضوفی کا دل بری طرح سے دھڑک رہا تھا، آج پہلی بار اس نے عظام کی آنکھوں میں کچھ انوکھا دیکھا تھا، اور ویسے بھی اس کا دل عظام کی طرف جھکنے لگا تھا، لاکھ کوششوں کے باوجود بھی وہ اپنے دل کو روک نہیں پائی تھی، شاید نکاح کے بولوں میں اتنی طاقت ہوتی ہے، ضوفی کی آنکھوں سے بہتا آبشار اسے حال میں لایا تھا، اس کی گرفت کمزور پڑی تو ضوفی اس کی بانہوں کے گھیرے کو توڑنے میں کامیاب ہو گئی۔

"وہ میں... میں کراچی جانا چاہتی ہوں اپنے گھر۔" اس نے نگاہوں کا زاویہ بدلنے کے لیے راہ فرار ڈھونڈی۔

"تو کیا یہ آپ کا گھر نہیں، یہ اپنا نہیں؟ اپنے گھر سے کیا مراد ہے آپ کی؟ یوں راہ فرار ہی چاہیے تھی، تو پھر نکاح نامے پر سائن کیوں کیے؟ نکاح جلدی میں ہوا تھا پر کسی نے آپ کے سر پر بندوق رکھ کر تو قبول ہے کا

"اس کو ایسا بنا دیا ہے، پر میرا ابتر دل کا بہت سوہنا ہے۔" ضوفی چپ چاپ سر جھکائے سنے جا رہی تھی، بات کے اختتام پر اس نے اپنا سر اٹھایا تو اداسی اور دکھ کی پرچھائی اماں جیجل کے چہرے پر واضح تھی۔

"کنوار! شادی شدہ زندگی میں مرس اور زال (میاں اور بیوی) کے بیچ بہت اتار چڑھاؤ آتے ہیں، پر ہاتھ پیر چھوڑ کر بیٹھنے سے اچھا اسے پیار محبت سے سنبھالا اور سمجھایا جائے، مرس (شوہر) اگر کسی بات پر کاوڑ (غصے) میں ہو یا کوئی ناراضی ہو تو وقت کے ساتھ ساتھ ٹھیک ہو جاتی ہے، زال کا ہی کام ہے کہ اپنے مرس کو اپنے پیار اور بھروسے کی چادر میں چھپائے رکھے، دیکھ کنوار پتر! گھر کو گھر تو ایک زال ہی بناتی ہے، مرس تو صرف اینٹ، گارے کی مدد سے مکان بناتا ہے، اس مکان کو اپنی محبت سے گھر صرف ایک زال ہی بناتی ہے، اس حویلی میں دو شادیاں ہوئیں اور دونوں ہی برباد..... اور اس کی ذمے دار عورت ہی تھی، بھی شاہ بھی اپنی اس شادی شدہ زندگی سے غصے میں ہے، میری دھی رانی بہت سمجھدار ہے، مجھے پتہ ہے تُو میرے پتر اور اپنے مرس کو سنبھال لے گی، پتر! اسے غلط فہمی ہے اور اس غلط فہمی کو تُو دور کر دے گی ناں؟" اماں جیجل نے اسے گلے لگاتے ہوئے اقرار چاہا۔

"اماں! آپ فکر نہ کریں، اب میں انہیں بتا دوں گی کہ ہر عورت ایک جیسی نہیں ہوتی۔" بے اختیار ہی اس کے منہ سے نکلا جس پر اماں جیجل نے اس کی پیشانی پر بوسہ لیا۔

"رب سوہنا کرے تُو سدا شاد رہے، اور اس حویلی کی شان بنائے رکھے، رب سوہنا ہمیشہ تجھے آباد رکھے۔" ڈھیر ساری دعائیں دیتے ہوئے اماں جیجل نے اس کی بلائیں لے ڈالیں۔

☆..........☆..........☆

دوپہر تک دانیہ کی شاہ کے ساتھ واپسی ہو چکی تھی۔

"ارے واہ! آج تو بہت زبردست خوشبو آ رہی ہے۔" دانیہ کی بات پر ڈائننگ ٹیبل پر موجود ضوفی اور اماں جیجل کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"کنوار! تیرے تایا کو بھیج دیا کھانا؟" اماں جیجل نے پوچھا کیونکہ تایا کا کھانا ان کے کمرے میں ہی جاتا تھا، ریڑھ کی ہڈی میں Pain کی وجہ سے وہ زیادہ چلنا پھرنا نہیں کرتے تھے۔

"جی اماں!" مختصر جواب دے کر وہ بھی اماں جیجل کے برابر میں رکھی چیئر پر بیٹھ گئی، چائنیز چاول، چکن تکہ، شامی کباب، اچار گوشت، رشین سلاد، اور چپاتی سے سجا ٹیبل دیکھ کر عظام شاہ کے منہ میں بھی پانی آ گیا تھا۔

"ارے واہ! شبو نے یہ کھانے بھی بنانے سیکھ لیے؟ اچھا ہے چلو اب تو روز دعوتیں ہوں گی۔" کھانے سے بھرپور انصاف کرتے ہوئے عظام نے کہا، مدت بعد وہ یہ سب کھا رہا تھا، ہاسٹل میں اس نے خوب عیش کیے تھے، اور ڈٹ کر کھایا تھا، ایسے پکوان پر یہاں صرف دیسی کھانے ہی بنتے تھے۔

"یہ سب شبو نے نہیں میری کنوار نے بنایا ہے۔" اماں جیجل کے لہجے میں مان تھا۔

"ارے واہ بھرجائی! آپ نے تو کمال کر دیا، سچ آپ کے آنے سے بہت رونق ہو گئی ہے، اب تک حویلی میں رونق آ گئی تھی، اب تو کچن میں بھی آ گئی۔" دانیہ نے ہنستے ہوئے شامی کباب کی طرف ہاتھ بڑھایا، عظام شاہ نے کن انکھیوں سے اس کی طرف دیکھا جو اسی کی طرف متوجہ تھی، عظام نے فوراً اپنی نگاہیں بدل لیں، دل میں وہ بھی دانیہ کی بات سے متفق تھا۔ تبدیلی اسے بھی محسوس ہوئی تھی نہ صرف حویلی میں رونق در آئی تھی بلکہ اب

حویلی کا ہر کونہ، ہر گوشہ چاہے اس کا روم ہو یا کچن ہر جگہ کی ترتیب بدل چکی تھی، ہر چیز لشکارے مارنے لگی تھی، یوں تو بہت نوکر چاکر تھے، صفائی ستھرائی بھی روزانہ ہوتی تھی مگر اب تو ہر انداز ہی نیا تھا۔ ہر پرانی چیز پر بھی نئے ہونے کا گمان ہوتا تھا۔

☆..........☆..........☆

رات جب وہ اپنے تمام کاموں سے فارغ ہو کر روم میں آئی تو عظام شاہ بیڈ پر نیم دراز سگریٹ کے کش پہ کش لے رہا تھا، اسے روم میں داخل ہوتے ہی چھینکوں پہ چھینکوں کی برسات شروع ہو گئی تھی، تبھی وہ گیلری میں چلی آئی اور کین سے بنی باسکٹ چیئر پر بیٹھ گئی، ایسا پہلی بار نہیں ہوا تھا، شادی کے اوائل دنوں میں بھی اسے یوں ہی چھینکوں کا دورہ پڑا تھا، وہ بھی سگریٹ ہاتھوں میں دبائے گیلری میں چلا آیا، جب سے گیلری کو ضوفی نے ایک سرسبز لان کی شکل دی تھی تب سے عظام کو بھی اپنے روم کا یہ حصہ بہت پسند آیا تھا، اس کا بھی زیادہ تر وقت گیلری میں ہی گزرتا تھا۔

"تم ٹھیک تو ہو؟ لگتا ہے سردی لگ گئی ہے، موسم بھی ٹھنڈا ہونے لگا ہے۔"

"وہ مجھے یہ.....!" وہ عظام کے جواب میں کچھ کہتی اس سے پہلے پھر چھینک آ گئی، اس کا ستواں ناک لال ہو چکا تھا۔

"رکو! میں جوشاندہ بنواتا ہوں۔" وہ روم میں مڑنے لگا۔

"نہیں سنیں! آ چھوں.....!" اس نے جلدی سے عظام کا ہاتھ پکڑا اور اگلے ہی پل اس کی انگلیوں میں دبی ہوئی سگریٹ نکال کر گیلری سے باہر پھینک دی۔

"Are you mad? یہ کیا کیا تم نے؟" وہ غصے سے بے قابو ہوتے ہوئے بولا۔

"وہ... مجھے سگریٹ سے الرجی... آ چھوں!" وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگا، تبھی وہ آگے بڑھا اور اس کا ہاتھ تھامے بیڈ پر لے آیا، اور ساتھ ہی پانی کا گلاس اس کی سمت بڑھایا۔

"خدا کی بندی! تم مجھے پہلے بتا نہیں سکتی تھیں؟" چھینکوں سے دہری ہوتی ضوفی کو دیکھتے ہوئے اس نے کہا۔

"آپ نے کبھی مجھے موقع ہی نہیں دیا کچھ بھی کہنے کا۔" گلاس کو لبوں سے لگاتے معصوم سے انداز میں جواب شکوہ حاضر تھا، بے اختیار عظام کے چہرے پر مسکراہٹ در آئی، اس نے اٹھ کر روم فریشنر کا بے دریغ اسپرے کیا، تاکہ اسموکنگ کی ناخوشگوار بو زائل ہو جائے۔

"میرے لیے اتنا کرنے کے لیے Thanks!" اس کی حالت قدرے سنبھلی تو اس نے عظام شاہ کو شکریہ کہا۔

"تم میری بیوی ہو، اس لیے نہیں کیا بلکہ میں کسی کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا۔" اس نے فوراً ہی ضوفی کی خام خیالی پر پانی پھیرتے ہوئے کہا۔

"نفرت کے مرہم کے سوا اور کچھ نہیں ان کے پاس۔" ضوفی نے دل میں سوچا۔

"آپ کی ذات جو دوسروں کے لیے تکلیف کا باعث بن رہی ہے اس کا کیا؟"

"آخر تمہارا مسئلہ کیا ہے؟" ضوفی کے سوال پر اس نے زچ ہوتے ہوئے پوچھا۔

"میرا مسئلہ آپ ہو۔" سامنے سے جواب حاضر تھا۔

اقرار نہیں کروایا تھا ناں، پھر؟" دونوں ہاتھوں سے اس کے بازوؤں کو پکڑ کر غصیلے لہجے میں کہا، اگلے ہی پل اسے زور سے بیڈ پر دھکا دیتے ہوئے اپنے کپڑے لیے واش روم کی جانب بڑھ گیا، جبکہ پیچھے بیٹھی ہوئی سی ضوفی اس اچانک افتاد پر گم صم سی رہ گئی۔ آنکھیں پانیوں سے جھلملا اٹھی تھیں، حلق میں آنسوؤں کا پھندا اٹک سا گیا تھا، وہ چاہتی تو بھی کچھ کہنے کے لائق نہ تھی، اور کہتی بھی تو کس سے؟ وہاں سننے کو آخر تھا ہی کون؟

دانیہ کو اپنی کسی سہیلی کے ہاں جانا تھا تو عظام شاہ اپنی زمینوں کی طرف جاتے ہوئے دانیہ کو بھی ساتھ ہی لے گیا تھا کہ واپسی میں دوپہر میں آتے ہوئے وہ دانیہ کو بھی پک کرلے گا، اب وہ اکیلی بولائی پھر رہی تھی، کیونکہ دانیہ کی سنگت میں اس کا وقت اچھا گزر جاتا تھا، جتنی بڑی حویلی تھی اتنے ہی نوکر تھے، بھی کرنے کو کچھ کام بھی نہ تھا، کچھ دیر یوں ہی لاؤنج میں بیٹھنے کے بعد وہ کچن میں چلی آئی، کچن میں شبو موجود تھی، جس کے ذمے ہی تینوں وقت کا کھانا بنانا تھا، جو کہ زیادہ تر دیسی کھانوں پر ہی مشتمل ہوتا تھا۔

"کیوں نہ آج کچھ نیا اور Different مینو بنایا جائے؟" ضوفی کے دماغ میں یہ خیال آتے ہی اسے معروف رہنے کا حل مل گیا، اپنے گھر یوں تو وہ کوکنگ کم کرتی تھی، مگر جب بھی کرتی تو فاسٹ فوڈ، اٹالین، رشین اس ٹائپ کے ہی کھانے بناتی تھی۔

"شبو! آج تم رہنے دو، میں کھانا بناؤں گی تم صرف میری مدد کروانا"۔ پورے پورشن میں اشتہا انگیز مہک پھیلی ہوئی تھی، تبھی اماں جنجل جو کہ تایاجی کی طرف گئی ہوئی تھیں ملازمہ ان کی وہیل چیئر گھسیٹتی وہیں لے آئی۔

"ارے کنوار! تم یہاں کیا کر رہی ہو؟ شبو کہاں ہے؟" کوکنگ کرتے دیکھ کر انہوں نے حیرت سے پوچھا۔

"اماں! میں کب سے بور ہو رہی تھی، اس لیے سوچا کیوں ناں آج میں ہی کھانا بنالوں"۔

"بیٹا! وہ تو ٹھیک ہے پر تمہیں جمعہ جمعہ آٹھ دن تو ہوئے ہیں اور تم ہو کہ یوں کاموں میں لگ گئیں، کہیں تم اس کہاوت پر عمل تو نہیں کررہیں شوہر کے دل کا راستہ معدے سے ہوکر گزرتا ہے؟" اماں جنجل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ان کا دل ہو تو میں راستہ ڈھونڈوں ناں"۔ بے ساختہ ہی ضوفی کے منہ سے نکلا، اس نے پلٹ کر اماں جنجل کی طرف دیکھا، جہاں کچھ دیر پہلے والی مسکراہٹ اب غائب تھی۔

"کنوار! کام ختم کرکے میرے کمرے میں آجانا"۔ سنجیدگی سے کہتیں وہ پلٹ گئیں تو اسے اپنے الفاظوں پر ندامت ہونے لگی۔

"اف.... میں بھی ناں بنا سوچے سمجھے ہی بول دیتی ہوں، لگتا ہے انہیں برا لگ گیا"۔ خود سے باتیں کرتے اس نے بقیہ کام نمٹائے، چائنیز چاول کو دم پر رکھ کر اور باقی تیاری پر نظر دوڑائی، شبو کو کچھ ضروری ہدایات دے کر وہ اماں جنجل کے کمرے کی جانب بڑھ گئی، دروازہ Knock کرکے جب وہ اندر آئی تو وہ بیڈ پر بیٹھی رلی بنا رہی تھیں، اتنے دنوں میں اس نے کبھی اماں جنجل کو کبھی فارغ نہیں دیکھا تھا، وہ بھی بیٹھے بیٹھے کسی نہ کسی کام میں لگی رہتیں۔

"واہ اماں! یہ تو بہت پیاری ہے"۔ رلی کے ڈیزائن پر ہاتھ پھیرتے ہوئے وہ بیڈ کے قریب رکھی کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"کنوار! یہاں آجاؤ"۔ رلی کو سمیٹ کر رکھتے ہوئے اماں جنجل نے بیڈ پر بیٹھنے کی جگہ بنائی۔

"اماں کنوار (دلہن) جب چھوکری (لڑکی) پیدا ہوتی ہے ناں تبھی سے اس کے ماں پیو اس کے لیے خواب وسن (دیکھنے) شروع کردیتے ہیں، ہر ماں پیو کی خواہش ہوتی ہے کہ چھوکری کو ایسا گھرانہ ملے جو ان سے بڑھ کر اسے پیار عزت دے، اس کا خیال رکھے، مگر ایک چیز ہوتی ہے قسمت.... سب کی قسمت ایک جیسی نہیں ہوتی، مگر ہوتا وہی ہے جو قسمت میں لکھا ہوتا ہے"۔ اس کے بیٹھتے ہی اماں جنجل نے اپنی بات کا آغاز کیا تھا مگر اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ آخر اماں جنجل آج یہ کیسی گھما پھرا کر باتیں کررہی ہیں، اس نے الجھن زدہ نظروں سے اماں جنجل کی جانب دیکھا، جہاں ہنوز سنجیدگی طاری تھی۔

"کنوار! عظام پتر! پہلے ایسا نہ تھا جیسا اب ہے، حالات اور واقعات نے اسے ایسا بنادیا ہے، میرا بھی خوش حال خاندان تھا، حویلی میں خوشی کے سُر بجتے تھے، میں نے اور شاہ عظام کے دادا نے خادم علی بخش کے لیے گاؤں ہی کی زرینہ کو چنا تھا، مگر شادی کے 2 سالوں تک بھی ان دونوں کی آپس میں نہ بنی، حالانکہ 1 سال کا نیاز شاہ بھی ان کی گود میں آچکا تھا، پر ان کے جھگڑے اتنے بڑھے کہ بات طلاق تک آپہنچی، تب سے نیاز شاہ کو ہم سب نے بہت لاڈ سے پالا، حویلی کا بڑا پتر تھا، اس لیے سب کا لاڈلا بھی تھا، ایک بھول کے بعد دوسری بھول کا ہم میں حوصلہ نہیں تھا، اس لیے حسین علی کی شادی اس کی پسند سے ایک ماسٹریانی سے کروائی، شکل وصورت کی بہت اچھی تھی پر اسے ہم سب سے زیادہ جائیداد میں دلچسپی تھی، تبھی ایک رات وہ ہمارے مان، ہماری عزت اور پگڑی کو اچھال کر بہت سی رقم لے کر فرار ہوگئی، یہاں تک اسے اس کے دو معصوم بچے بھی یاد نہ رہے، عظام شاہ تب دس سال کا تھا اور دانیہ 7 سال کی تھی، اس صبح ہماری حویلی میں قیامت اٹھی تھی، پورے گاؤں میں ہماری عزت کی نیلامی ہوچکی تھی، 10 سالہ عظام اتنا بچہ نہ تھا اسے سب سمجھ تھی تب سے وہ عورت کے معاملے میں محتاط ہوگیا، پر جو طوفان حویلی میں اٹھا تھا اور حویلی کی عزت پر داغ لگا تھا، اس کا اثر تو ہونا تھا، ٹھیک 10 دن بعد میرا پتر مجھے چھوڑ کر چلا گیا، عظام اور دانیہ دونوں بچے بن ماں باپ کے ہوگئے، میری ہمت بھی ٹوٹ گئی تھی، پر مجھے اور اس کے دادا کو اپنے بچوں کو سنبھالنا تھا، عظام شاہ کا غصہ بڑھتا جارہا تھا تبھی ہم دونوں دادا، دادی نے اسے ہاسٹل میں چھوڑنے کا فیصلہ کیا اور یوں ہم عظام کو ہاسٹل میں چھوڑ آئے، مگر واپسی میں میری قسمت نے مجھے تنہا کردیا، حادثے میں عظام کے دادا ہمیں چھوڑ گئے اور میرا نچلا دھڑ بے کار ہوگیا، زخم بہت کھائے اور یوں ہی وقت بڑھتا رہا، خادم بخش نے ہی پھر ہم سب کو سنبھالا، نیاز شاہ نے بھی اپنے پیو کے ساتھ بیٹوں کو سنبھال لیا، نیاز شاہ 25 سال کا جوان جہان مرد بن چکا تھا، عظام بھی 20 سال کا ہوگیا تھا اور حیدرآباد کی یونیورسٹی میں ہی پڑھ رہا تھا، ہماری زندگی میں ٹھہراؤ آچکا تھا، مگر پھر پچھلے سال جب عظام اپنی پڑھائی مکمل کرکے لوٹا تو ایک بار پھر ہمارے بندھن ٹوٹ گئے، بنی کے جھگڑے میں تمہارے اظفر چاچا کے ہاتھ سے غلطی سے نیاز شاہ کو گھاؤ (زخم) لگ گیا، جس نے ہم سب سے ہمارا لاڈلا پتر چھین لیا"۔ اماں جنجل سانس لینے کو رکیں اور ساتھ ہی اپنے دوپٹے کے پلو سے بہنے والے آنسوؤں کو پونچھا۔

"گوٹھ کے انصاف اور پنچایت کا فیصلہ یہ تھا کہ یا تو تمہارا چاچا اپنی ساری بنی دے یا پھر اپنی بیٹی کا ہاتھ عظام کو، بنی تمہارے چاچا کی کل کمائی تھی، اس لیے اس نے بیٹی دینے کا فیصلہ دیا، مگر عظام شادی کے لیے راضی نہ تھا، پھر میں نے اور اس کے تایا نے اسے سمجھا بجھا کے راضی کیا، جوان اور اکلوتے بیٹے کی موت نے خادم کی کمر ہی توڑ دی تھی، تب سے وہ چارپائی پر پڑا ہے، عظام، نیلوفر سے بیاہ رچانے گیا تھا مگر سوہنے سائیں کو کچھ اور ہی منظور تھا، اور یوں تم ہماری حویلی میں آگئیں، بچپن سے وہ جس طرح کے حالات دیکھتا آرہا ہے اس نے

"اپنی بھولی صورت اور اچھی سیرت کا جادو تم اماں جنجل اور دانیہ پر ہی چلا سکتی ہو، مجھ پر ان کا اثر نہیں ہوتا، میں اچھے سے جانتا ہوں کہ جلد یا بدیر تم نے یہ گھر چھوڑ کر جانا ہی ہے۔" عظام نے غصیلے تیور سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"کوئی بھی مرد، عورت کو سمجھ ہی نہیں سکتا، آپ کیوں بھول جاتے ہیں دنیا میں کوئی بھی چیز ایک جیسی نہیں، نہ اس کی بناوٹ، نہ خصلت، ہر کوئی ایک دوسرے سے مختلف ہے تو پھر آپ کیسے ایک کتاب کو پڑھ کر ہر کتاب کا موازنہ اس پڑھی ہوئی کتاب سے کر سکتے ہیں، پلیز بس کر دیجیے۔ میں تنگ آ چکی ہوں آپ کے فضول رویے سے، آپ کے بے وجہ غصے سے آپ کے جارحانہ تیور سے، شادی کر کے مہمان بن گئے اب تماشائی بنے مجھے پل پل اذیت کیوں دیتے ہیں آپ؟ کیا قصور ہے میرا؟ کیوں بنا کسی جرم کے مجھے سزا دیتے ہیں؟" وہ عظام کی شرٹ کا کالر پکڑے پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

"تم تنگ آ چکی ہو ناں، ڈونٹ وری، میں تمہیں بہت جلد آزاد کر دوں گا، اس سے پہلے کہ تم فرار ہو، میں خود تمہیں فرار کر دوں گا، بس تھوڑا انتظار اور۔" سفاکی سے کہتا وہ روم سے نکل گیا۔

☆..........☆..........☆

وقت نہایت سبک رفتاری سے گزر رہا تھا، اسے لگتا تھا جیسے کسی نے وقت کی طنابیں کھینچ رکھی ہوں، اس کی ازدواجی زندگی کو دو ماہ کا عرصہ ہونے کو آیا تھا، اماں جنجل بہت بار عظام سے ضوفی کو کراچی لے جانے اور گھمانے پھرانے کا کہہ کر تھک چکی تھیں، مگر اس کی ناں، ہاں میں نہ بدلی تھی، دن تو گھر کے کاموں میں مصروف یا پھر اماں جنجل سے سبق آموز باتیں سیکھنے اور دانیہ کے ساتھ گپ شپ لگانے میں گزر جاتا، مگر رات تو لگتا اس کے کمرے میں آ کر ٹھہری گئی ہو، اس کے ساتھ زندگی رواں ندی کی مانند گزر رہی تھی، اصل میں جہاں توقعات ہی نہ ہوں تو زندگی یوں ہی بے مقصد گزرتی ہے، شادی کے ان دو ماہ بعد بھی ان کے بیچ روایتی میاں بیوی والا رشتہ نہ تھا، ہاں البتہ وہ اپنے حق ضرور وصول کرتا تھا۔ ان کے بیچ تکلف کی دیوار ابھی تک نہیں گری تھی، تبھی رات اسے پتہ ہی نہ چلا کہ عظام نہ صرف لیٹ آیا تھا بلکہ اس کا چھوٹا سا ایکسیڈنٹ بھی ہو گیا تھا، تبھی صبح ہونے تک اسے اچھا خاصا تیز بخار ہو چکا تھا۔ ڈاکٹر ابھی اسے چیک کر کے اور دوائی دے کر گیا تھا، وہ اس کے لیے یخنی بنا رہی تھی، تبھی اماں جنجل کچن کے پاس چلی آئیں، وہیل چیئر کی وجہ سے وہ اوپر روم میں نہیں جا سکتی تھیں، مگر دانیہ صبح سے ہی اوپر اپنے بھائی کے پاس تھی۔

"کنوار! یہ سب چھوڑ، یہ شبو دیکھ لے گی، تو میرے پتر کے پاس جا، پتہ نہیں کس کی نظر لگ گئی میرے پتر کو۔" اماں جنجل کی آواز میں واضح گھبراہٹ تھی۔

"شبو! یہ باؤل میں سوپ ڈالو!" شبو کو ہدایت دے کر وہ گھٹنوں کے بل اماں جنجل کے پاس بیٹھی۔

"اماں! آپ پریشان نہ ہوں، وہ جلد ٹھیک ہو جائیں گے، آپ بس دعا کریں، میں جاتی ہوں ان کے پاس۔" ضوفی نے انہیں تسلی دی۔

"ہاں پتر! اٹھو جاؤ ذرا دیکھو اسے کسی بھی چیز کی ضرورت ہو سکتی ہے، اس کی تو رات سے طبیعت ٹھیک نہیں تھی مگر تو نے بھی ہمیں نہیں بتایا، بتا دیتی تو رات ہی کوئی دوا دارو کر لیتے۔" اماں جنجل کی بات پر اس کے اوپر گھڑوں پانی پڑ گیا۔ وہ ان کو دلاسہ دیتے سوپ لیے اوپر چلی آئی۔

"دیکھیں ناں بھرجائی! لالا کو پتہ نہیں کیا ہو گیا، کچھ بات بھی نہیں کر رہے۔" دانیہ کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ

آنسو بہنے لگے۔

"تم پریشان مت ہو، ڈاکٹر نے کہا ہے ناں شام تک ٹھیک ہو جائیں گے، یہ بخار اور دوائی وغیرہ بھی تو دی ہے ناں، تم فکر مند نہ ہو، جاؤ تم بھی کچھ کھا لو، میں ہوں ناں ان کے پاس۔" دانیہ کو دلاسہ دیتے ہوئے اسے ہدایت بھی دی، دانیہ کے جانے کے بعد وہ بیڈ کی طرف آئی جہاں عظام شاہ پر نیم بے ہوشی طاری تھی، سر اور ہاتھوں پر لگی چوٹوں پر ڈاکٹر نے ڈریسنگ کر دی تھی، اس کا دل عظام کی صحت یابی کی دعائیں مانگنے لگا، سرخ و سفید رنگت، پیشانی پر بکھرے بال، گھنے ابرو، اوپر کو اٹھی ہوئی پلکیں، گھنی مونچھوں تلے دبے عنابی ہونٹ جو اس وقت زرد تھے، وہ منہ بولتا مردانگی کا ثبوت تھا، یہ شخص جو اس کا مقدر تھا، نصیب تھا، کاش! اسے دل سے اپناتا۔ وہ بے خودی ہوتی بیڈ پر اس کے بالکل پاس بیٹھ گئی، اس بے حس سے لیے شخص پر جو کہ اس کا مجازی خدا بھی تھا، ٹوٹ کر پیار آیا تھا۔ وہ اس کے اتنے قریب ہوتے ہوئے بھی فاصلے پر تھا، اس نے اپنے لب اس کی جلتی پیشانی پر رکھ دیے، عظام کسی معصوم بچے کی طرح ہلکا سا کسمسایا تو اس نے اپنے لب فوراً ہٹا دیے۔

"میں بہت اکیلا ہوں، مجھے مت اکیلا چھوڑو، پلیز! میرے پاس رہو، مجھے مت چھوڑو۔" وہ نیم بے ہوشی میں بڑبڑا رہا تھا۔ ساتھ ہی اپنا سر دائیں بائیں پٹخ رہا تھا، ضوفی گھبرا سی گئی، اس نے اپنا دایاں ہاتھ اس کے سینے پر رکھ کر اسے پرسکون کرنا چاہا۔

"میں یہیں ہوں، آپ کے پاس، کوئی آپ کو اکیلا نہیں چھوڑ رہا۔" وہ جھک کر آہستہ سے بولی اور حیرت انگیز طور پر اب وہ پرسکون ہو چکا تھا، وہ کچھ دیر تک اسے تکتی رہی، پھر اپنا ہاتھ آہستہ سے اس کے سینے سے ہٹایا، مگر اس سے پہلے کہ وہ اپنا ہاتھ واپس لیتی، عظام نے اس کا ہاتھ جکڑ لیا، ایک پل کو ضوفی کو لگا وہ جاگ رہا ہے، اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا، مگر وہ اب بھی بے ہوشی میں ہی تھا اور یہ حرکت بھی شاید غیر ارادی طور پر اس نے کی تھی، دو دن بعد جا کر عظام کی طبیعت بہتر ہوئی تھی۔

☆..........☆..........☆

آج دانیہ کے ہونے والے سسرالی اس کی شادی کی تاریخ فکس کرنے آ رہے تھے، دانیہ کی نسبت عظام شاہ کے جگری دوست مصطفیٰ سے طے ہوئی تھی جو کہ حیدر آباد میں رہائش پذیر تھا، ضوفی صبح سے تیاری میں لگی تھی، عظام بھی آج زمینوں پر نہیں گیا تھا، وہیں اماں جنجل کے ساتھ بیٹھا باتوں میں مصروف تھا اور ساتھ ساتھ وقتاً فوقتاً اس پر بھی نظریں دوڑا رہا تھا، جو گھن چکر بنی کبھی ملازموں کے سر پر کھڑی ہال کی ڈسٹنگ کروا رہی تھی، تو کبھی کچن میں شبو کو ہدایات دے رہی تھی، تبھی ملازم کے ہمراہ تایا جی بھی وہیں آ گئے، دو ملازموں نے سہارا دیا ہوا تھا، تایا جی کو آتا دیکھ کر ضوفی نے عظام سے بھی پہلے بڑی پھرتی سے ملازم سے ایزی چیئر منگوا لی، جبکہ الفاظ عظام کے منہ میں ہی رہ گئے۔

"جیتی رہو، شاد رہو سدا (ہمیشہ)۔" تایا جی نے دعائیں دیں، ان تینوں کو باتوں میں مگن دیکھ کر وہ کچن کی طرف چلی آئی۔

"بھرجائی... بھرجائی!" تبھی دانیہ اسے پکارتی ہوئی کچن میں چلی آئی، اس کے ہاتھ میں دو سوٹ تھے۔

"بھرجائی! اس میں سے کون سا ڈریس پہنوں، کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔" اس نے دونوں سوٹ جس میں سے ایک سی گرین کلر کی فراک بھی تھی جس پر سفید رنگ کے دھاگوں کا کام ہوا تھا، جبکہ دوسرا میرون رنگ کا سوٹ تھا۔

"ارے چندا! کوئی بھی پہن لے، تُو سوہنی ہی لگے گی پتر!" اماں جنجل نے وہیں سے ہانک لگائی۔

"نہیں ناں اماں! بھرجائی کو زیادہ آئیڈیا ہوگا، میں بہت زیادہ کنفیوژ ہوں، پلیز بھرجائی! آپ ہی ہیلپ کریں ناں"۔

"اچھا، اچھا! تم روم میں چلو، فریش وغیرہ ہو، تب تک میں بھی تھوڑا کام نبٹا کر آتی ہوں، ڈونٹ وری ڈریس بھی سلیکٹ کروادوں گی اور اچھے سے تیار بھی کردوں گی"۔ ضوفی اس کے گال پر پیار سے ہاتھ رکھتے ہوئے بولی۔

"کنوارا! تمہیں تیار نہیں ہونا؟" تایا جی نے عام سے حلیے میں موجود ضوفی سے استفسار کیا۔

"کنوار پتر! جا اب تُو بھی تیار ہوجا، دوپہر ہونے کو آئی ہے، شام تک وہ لوگ بھی آجائیں گے، گھر کی اکلوتی نوں (بہو) ہے، تجھے بھی تیار ہونا چاہیے، اس لیے جا پتر! اچھے سے سنگھار کرنا"۔ اماں جنجل نے بھی اسے ہدایت دی اور "اچھے" پر زور دیتے ہوئے تیار ہونے کا حکم بھی۔ ضوفی نے نظر سامنے دوڑائی وہ بھی اسے دیکھ رہا تھا، نظروں سے نظروں کا تصادم ہوا تھا۔

"جی اماں! جیسا آپ کا حکم، بس ذرا سا کام باقی ہے، وہ ختم کرلوں پھر دانی کو تیار کرکے خود بھی تیار ہوجاؤں گی"۔ کچھ دیر بعد وہ اپنے سارے کام نبٹا کر دانی کے کمرے میں چلی آئی اور پھر سی گرین فراک اس کے لیے سلیکٹ کرتے ہوئے وہ اسے ہلکا پھلکا تیار کرنے میں مصروف ہوگئی۔

"لو جی ہوگئی میری اکلوتی نند رانی تیار... اچھا اب تم آرسی آئینے کے سامنے بیٹھ کر اپنی سج دھج دیکھو، جب تک میں منٹوں میں تیار ہوکر آئی"۔ دو گھنٹے لگا کر وہ اب فارغ ہوئی تھی، دانی اب مکمل تیار تھی، مگر بہت زیادہ نروس تھی۔

"اوف ہو... نروس مت ہو، میں یوں گئی اور یوں آئی، بس ڈریس ہی چینج کرنا ہے، فریش ہوکر ڈریس بدل کر ابھی آئی"۔ وہ کہتی ہوئی جانے کے لیے مڑی، تبھی دانیہ نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"بھرجائی!" "میں نے اب تک آپ کو پوری سج دھج کے ساتھ تیار نہیں دیکھا، آج اتنا خاص دن ہے، پلیز آج پورے دل سے تیار ہوجائیں"۔ دانی کی التجا پر وہ مسکرادی۔

"ارے لے جھلی! میں تیار ہوتی تو ہوں"۔

"نہیں بھرجائی! وہ سادگی والی تیاری نہیں، آج اتنا خوشی کا موقع ہے، آج کافی لوگ بھی ہوں گے پھر اماں نے بھی آپ سے کہا تھا، تو پلیز ناں آج میری بات مان لیں بھرجائی!" دانی نے ضوفی کے دونوں ہاتھوں کو پکڑتے ہوئے التجا کی۔

"اچھا جناب! مان لیتے ہیں آپ کی بات، ویسے بھی آپ تو مہمان ہیں اب"۔ ضوفی نے اسے چھیڑا تو وہ شرما گئی جبکہ ضوفی ہنستے ہوئے دانی کے روم سے نکلی مگر باہر ہی اس کا ٹکراؤ عظام شاہ سے ہوگیا۔

"بہت خوش ہیں آپ اور اس خوشی میں شاید نظر آنا بھی بند ہوگیا ہے، ویسے خوشی کا دن میری بہن اور ہم سب کے لیے ہے، مگر خوش آپ ہیں"۔

"ہاں! کیونکہ آپ کی بہن میری نند ہے"۔ عظام کے طنز کا جواب دے کر وہ مڑے بنا اپنے روم میں آگئی، کچھ دیر میں ہی وہ بھی اس کے پیچھے روم میں چلا آیا۔

"اتنا بھی خوش مت ہوں، بناوٹی لوگوں سے مجھے سخت نفرت ہے اور یہ جو تم بناوٹی اور دکھاوے کے رشتے بنا

رہی ہو اور نبھا رہی ہو، میں اچھے سے جانتا ہوں تم نے ان رشتوں اور گھر کو چھوڑ کر چلے جانا ہے"۔ الماری سے اپنے کپڑے نکال کر بیڈ پر اچھالتے ہوئے اس نے ضوفی سے کہا۔

"اتنی نفرت اور بدگمانی بھی اچھی نہیں ہوتی، انسان کو اتنا بھی غلط فہمیوں کے انبار تلے دب کر نہیں رہنا چاہیے کہ اس کا وجود ہی غلط فہمی کے ڈھیر میں کہیں گم ہوجائے"۔ ضوفی اس کے کپڑے اٹھائے اسے جواب دیتے ہوئے استری اسٹینڈ پر آگئی۔

"ماننا پڑے گا، باتیں اچھی کرلیتی ہو، پر مجھ پر اثر نہیں ہوتا، ویسے اتنے ٹائم میں تم نے اس گھر میں کافی جگہ بنالی ہے، بس سوائے میرے دل کے"۔ وہ کہتا ہوا واش روم کی طرف بڑھ گیا، کوئی اور وقت ہوتا تو یہی باتیں ضوفی کو رلاتیں اور تکلیف دیتیں مگر اب جبکہ وہ جان ہی گئی تھی کہ ان کڑوی کسیلی باتوں کے پیچھے ایک ڈر ہے شاہ کے دل میں، وہ ماضی سے خوفزدہ ہے، تب سے اس نے اپنے دل کو مضبوط کرلیا تھا، کیونکہ اب سوال صرف ایک بیوی کی وفا کا ہی نہیں بلکہ عورت ذات پر اعتبار کا بھی تھا، جب تک وہ نہا کر نکلا تب تک وہ نہ صرف اس کے کپڑے پریس کرچکی تھی بلکہ اس نے اپنے لیے بھی ڈریس سلیکٹ کرلیا تھا، جب تک وہ تیار ہوتا رہا تب تک وہ روم میں ہی ادھر ادھر کاموں میں لگی رہی، کیونکہ وہ اس کے سامنے تیار نہیں ہونا چاہتی تھی، مہمان آچکے تھے مگر اس کا کچھ اتا پتا نہیں تھا، حتیٰ کہ دانیہ بھی ہال میں موجود تھی، تبھی وہ اماں جنجل کے اشارے پر اسے بلانے کے لیے غصے میں بھرا اوپر چلا آیا، پر دروازے پر ہی وہ مبہوت سا رہ گیا، وہ واقعی اتنی خوبصورت تھی یا آج لگ رہی تھی، لال رنگ کی سلکی ساڑھی جس پر سفید ستاروں کا کام چمک رہا تھا، اس کے بدن پر سجی ہوئی تھی، کانوں میں لمبے آویزے، ہاتھوں میں شیشے کی کھنکتی چوڑیاں، بھینی بھینی Rhythm کی مہک جو کہ پورے کمرے میں پھیلی ہوئی تھی، عظام کے حواسوں پہ چھانے لگی، پل میں اس کا غصہ اڑن چھو ہوگیا، اس کی دروازے کی سمت پشت تھی اور وہ اپنی گردن جھکائے لمبے سیاہ بالوں کی آبشار کو ایک شولڈر پر لیے دونوں ہاتھوں کو پیچھے کیے پرل کا خوبصورت چمکتا ہوا سیٹ پہننے کی کوشش کررہی تھی، اس کے قدم اندر کی جانب بڑھ گئے، وہ خاموشی سے اس کے پیچھے آکھڑا ہوا اور سیٹ کا لاک بند کرنے لگا، گھبرا کر ضوفی نے پیچھے دیکھا، جہاں وہ خاموشی سے اس کا لاک بند کرچکا تھا، آئینے میں دونوں کا عکس نمایاں تھا، عظام وائٹ شلوار اور میرون کرتے میں ڈیشنگ لگ رہا تھا، ضوفی کے آس پاس Poison کی خوشبو پھیلنے لگی، ضوفی تقریباً تیار ہوچکی تھی، وہ آج بلاشبہ کسی حسین مورتی کی مانند لگ رہی تھی، اس نے پہلی بار ضوفی کو سجے سجائے روپ میں غور سے دیکھا تھا، سجا سنورا دلکش سراپا جو پورے زمانے کا حسن اپنے اندر سمیٹے موجود تھا، کاجل سے بھری آنکھیں بھی ایسی جن میں حزن وملال اور افسردگی کا سحر انگیز تاثر بھی تھا اور مقابل کو چت کردینے والی معصومیت بھی۔ ایسے بھولے اور ابھرتے ہوئے نقوش جو دیکھنے والے کا دل موہ کرلے جائیں، دراز پلکوں کے سرے پر موتی جیسے آنسو ٹنگے تھے، جو اس کے حسن پر جچ رہے تھے، اس نے ہمیشہ ہی ضوفی کو سادہ اور عام سے حلیے میں دیکھا تھا اور آج یوں بناؤ سنگھار.... یہ تیاری، ہلکا پھلکا میک اس کی خوبصورتی میں چار چاند لگا گیا، کتنے ہی پل ان دونوں کے بیچ خاموشی سے سرک گئے، تبھی اماں حاجراں کی آمد پر وہ ذرا فاصلے پر ہوا۔

"شاہ پتر! اور کنوارا! اماں جنجل تم دونوں کا نیچے انتظار کررہی ہیں"۔ پیغام دے کر وہ چلی گئیں۔ آج اسے اعتراف کرنا ہی پڑا تھا کہ وہ واقعی سراہنے اور چاہے جانے کے قابل ہے، تبھی وہ بھی جانے کو مڑا۔

"آج آپ بہت خوبصورت لگ رہی ہیں"۔ اس کے پاس سے گزرتے ہوئے عظام نے سرگوشی کی مگر

جانے سے پہلے وہ پیچھے مڑ کر اس کے چہرے پر بکھرتی سرخی دیکھنا نہ بھولا تھا۔ نیچے سب کچھ خوش اسلوبی سے طے پا گیا تھا، تین ماہ بعد کی تاریخ طے ہوئی تھی، آج سب کی آنکھوں میں اپنے لیے ستائش و تعریف دیکھ کر اسے اپنا آپ کافی بدلا ہوا لگ رہا تھا، مگر آج وہ محسوس کر رہی تھی کہ اس کی طبیعت کچھ بھاری سی اور ڈل سی ہو رہی تھی، ڈرائنگ روم میں بھی مہمانوں کے سامنے اس کے قدم ڈگمگائے تھے۔

"کیا بات ہے اماں! کوئی خوشخبری تو نہیں کنوار کی طرف سے؟" دانی کی ساس نے ہنستے ہوئے پوچھا تھا، وہ شرما سی گئی جبکہ عظام کے چہرے پر مسکراہٹ در آئی، مہمانوں کو رخصت کر کے اس کا ارادہ تھا کہ وہ جلدی اپنے روم میں جائے کیونکہ آج اسے بہت تھکن بھی محسوس ہو رہی تھی، تبھی وہ شیبو اور باقی نوکروں کو کچن سمیٹنے اور دیگر ہدایات دے کر اماں جنجل کو ان کی دوائیاں دینے ان کے روم میں چلی آئی۔

"کنوار پتر! تیری طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟ آج ماشاء اللہ سونی بھی اتنی لگ رہی تھی، کہیں نظر ہی نہ لگ گئی ہو۔" اس کی چال میں واضح لڑکھڑاہٹ تھی۔

"اماں! پتہ نہیں بہت عجیب سی طبیعت ہو رہی ہے، تھکن بھی کافی ہو رہی ہے۔" اس نے اپنی پیشانی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"پتر! تھکن تو ہونی ہے، صبح سے کاموں میں لگی ہوئی تھی، جا پتر! تھوڑا آرام کر لے۔" اماں جنجل نے سورت وغیرہ پڑھ کر اس پر دم کرتے ہوئے اسے آرام کا مشورہ دیا تو وہ بھی جانے کے لیے کھڑی ہوئی۔

"ویسے پتر! ظہیراں نے جو کہا اس پر بھی غور کر لینا، عورت کا گھر اور ذات اولاد سے ہی پورا ہوتا ہے اور اب تو اس سونے گھر میں بار (بچے) کی قلقاریاں گونجنی چاہئیں اور تمہیں پتہ ہے کنوار! عظام شاہ کو بچوں سے بہت لگاؤ ہے، دانی کو بچپن میں اپنے کندھے پر اٹھائے گھومتا تھا اور کبھی کبھی پاڑی (پڑوسی) کے کسی بچے کو اٹھا لاتا تھا، اپنا بچہ ہوگا تو خوشی سے میرا پتر پاگل نہ ہو جائے۔" اماں جنجل آج کافی خوشگوار موڈ میں تھیں اوپر سے ان کی باتیں۔

"اماں! ابھی تو آپ سو جائیں، دوائی لی ہے ناں تو آرام کریں۔" ضوفی نے انہیں لٹا کر وہاں سے فرار ہونے میں ہی عافیت جانی، اپنے روم کی لائٹ آف دیکھ کر اسے لگا کہ عظام سو چکا ہے، تبھی وہ ڈریس چینج کی غرض سے دبے پاؤں واش روم کی جانب بڑھی، تبھی عظام کی آواز نے اسے روک لیا۔

"سنو! میرے سر میں درد ہو رہا ہے، ذرا دبا دو!" ایک ہاتھ کو سر پر رکھے پیشانی کو سہلاتے ہوئے اس نے پکارا، اس کے واش روم کی جانب بڑھتے قدم رک گئے، خاموشی سے پلٹی اور بیڈ پر اس کے قریب بیٹھتے ہوئے اپنا ہاتھ اس کی پیشانی پر رکھ دیا، مگر یک لخت عظام نے اس کا ہاتھ تھام کر زور سے جھٹکا دیا، اگلے ہی پل اس کی ساڑھی کا پلو ڈھلک سا گیا اور وہ عظام کے سینے پر گر سی گئی۔

"یہ کیا حرکت ہے؟" ضوفی کے لہجے میں خفگی در آئی۔

"اور آپ جو سارے ہتھیاروں سے لیس ہمارے صبر کا امتحان لے رہی تھیں وہ کیا حرکت ہے پھر؟" عظام نے اس کے چہرے پر آئے بالوں کو پیچھے کرتے ہوئے گھمبیر لہجے میں اس کی تیاری پر چوٹ کی۔

"مجھے ڈریس چینج کرنا ہے۔" وہ اٹھنے کی کوشش کرنے لگی، مگر عظام کی بانہوں کا حلقہ تنگ سے تنگ ہوتا چلا گیا۔

"تمہارے اسی حسن نے تو مجھے دیوانہ کیا ہے اور تم ڈریس چینج کی بات کرتی ہو، آج تم اتنی پیاری لگ رہی

تھیں کہ دل چاہ رہا ہے تمہیں ہمیشہ کے لیے اپنے پاس، اپنے دل میں، اپنی آنکھوں میں رکھ لوں، نجانے کیوں آج جذبات مچل رہے ہیں کہ تم ہمیشہ یوں ہی میری بانہوں کے گھیرے میں مقید رہو۔" مدہوش سی آواز اسے اپنے بہت قریب محسوس ہوئی، آج ضوفی کو اس کی قربت بری نہیں لگ رہی تھی، اگلے ہی پل عظام کا ہاتھ اس کی زلفوں سے پھسلتا ہوا اس کی گردن پر آ رکا تھا، اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں، اس کی سانسیں بہت تیزی سے چل رہی تھیں، اپنی گردن پر اس کے گرم ہونٹوں کا لمس اسے بے قابو سا کر گیا، تپتی ہوئی سانسوں کی گرماہٹ اسے پگھلانے لگی، آج سب کچھ مختلف تھا، فضا میں بھی محبت کا نشہ چھلک رہا تھا، کیونکہ محبت کی مہربان دیوی نے ضوفی کو اپنی آغوش میں بھر لیا تھا۔

☆......☆......☆

اس کے پاپا کی اچانک طبیعت بگڑی تھی، دل تو اس کا بھی بہت اداس تھا، وہ ان ڈھائی ماہ میں ایک بار بھی کراچی نہیں گئی تھی، تبھی اس نے ضد باندھ لی، پاپا میں تو اس کی جان تھی، ضوفی کی اتری صورت دیکھ کر اماں جنجل نے فوراً سے پیشتر اسے کراچی بھیجنے کا فیصلہ کیا تھا۔ عظام شاہ ہی اسے چھوڑ کر گیا تھا، پاپا کی طبیعت دوسرے ہی دن کافی بہتر ہو چکی تھی، بس B.P ہائی ہو گیا تھا، مگر اب کنٹرول میں تھا، پاپا کی طبیعت سنبھلتے دیکھ کر اور پھر اتنے ٹائم بعد اپنے گھر آ کر وہ بہت خوش تھی، ممی کے لاکھ پوچھنے پر بھی اپنے اور شاہ کے تعلقات وہ انہیں نہ بتا پائی، کیونکہ اسے اب یقین ہو چکا تھا کہ بہت جلد وہ اپنی محبت سے اس کا دل جیت لے گی، گزرے دنوں میں اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ ہر مرد کی طرح سولہ سنگھار عظام کی کمزوری ہے۔

"سو مسٹر عظام شاہ! اب یہی ہتھیار میری طاقت بنے گا اور آپ کی کمزوری۔" خود سے عہد کرتے ہوئے ضوفی نے سوچا، جبکہ دوسری جانب عظام کی بھی حالت کچھ مختلف نہ تھی، اس کی بڑھتی بے چینی، بے قراری اماں جنجل اور دانیہ سے چھپی نہیں تھی، آتے جاتے دانیہ اسے ضوفی کا نام لے کر چھیڑتی، تو اس کے چہرے پر مسکراہٹ آ جاتی، ضوفی کو گئے ابھی صرف 3 دن ہی ہوئے تھے اور اس کے بغیر یہ گھر کاٹ کھانے کو دوڑ رہا تھا، اسے اعتراف کرنا ہی پڑا کہ ضوفی نے واقعی اس مکان کو گھر بنایا تھا، گھر آتے ہی اس کے احساسات عجیب سے ہو جاتے، بیڈ روم کی تنہائی میں ہلکی ہلکی سی آہٹیں اور Swinggle کی مدھری آواز اسے بے چین کرنے لگتی، اس کے قدموں کی چاپ، چوڑیوں کی کھنک، کپڑوں کی سرسراہٹیں، اس کے سامنے خود کو جان بوجھ کر مصروف ظاہر کرنے کی ادا، بہت کچھ اسے یاد آنے لگتا۔ وہ زمینوں سے واپس آیا تو بہت تھکن محسوس کر رہا تھا، اس لیے اپنے روم میں جانے کے بجائے وہ سیدھا ہی اماں جنجل کے کمرے میں چلا آیا، جہاں دانیہ اور اماں جنجل بیٹھیں باتوں میں مگن تھیں، وہ بھی سلام کر کے وہیں ان کے پاس بیٹھ گیا۔

"آ گیا پتر! آج کل تو بڑا گم صم رہنے لگا ہے، کیا بات ہے پتر؟" اماں جنجل نے عظام کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"اوہو اماں! بھرجائی کے جانے سے اداس ہیں گم صم تو ہو ہی جائیں گے ناں۔" دانی نے شرارت سے کہا۔

"چھوٹی...!" عظام نے اس کے سر پر چپت رسید کی۔

"اچھا چل تو جا ادا کے لیے گرم گرم چائے اور کچھ کھانے کو بھی لے آ۔"

"کیا اماں! اتنے نوکر ہیں اور آپ مجھے کہہ رہی ہیں۔" وہ منہ بسورتے ہوئے بولی۔

"اگلے گھر بھی تو جانا ہے، کچھ سیکھ لے، اپنی بھرجائی کو ہی دیکھ... ڈھائی مہینے ہوئے ہیں پر ہر وڈے واری

سنبھال لی ہے"۔ اماں جنجل کے لہجے میں اس کے لیے پیار ہی پیار تھا۔

"ادا! آپ ہی کچھ بول لیں"۔ مسلسل بولتی اماں کو کنٹرول کرنا بس عظام شاہ کے ہی بس میں تھا، تبھی دانی نے عظام کو مدد کے لیے پکارا۔

"اب میں کیا کہوں؟ اماں ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہیں"۔

"ہائے ادا! آپ بھی ناں، بس اماں ہی کی تو سائیڈ لیں گے، آخر بھرجائی کی تعریفیں جو ہو رہی ہیں"۔ اس نے عظام کو چڑایا، اگلے پل اس سے پہلے کہ وہ ایک بار پھر چپت لگاتا وہ روم سے باہر بھاگ نکلی تھی۔

"پتر! ایک گل (بات) دس (بتا) تُو خوش تو ہے ناں؟" وہ جو آنکھیں بند کیے ان کی گود میں لیٹا تھا، آنکھیں وا کیے انہیں حیرانی سے دیکھنے لگا۔

"میرا مطلب ہے پتر! اب تو شل سنگل ہے ناں تم میاں اور بیوی کے بیچ؟ جس طرح تم دونوں کی شادی ہوئی ہے ایسے میں ایک دوسرے کو سمجھنے میں وقت تو لگتا ہے، مگر بیوی اور میاں گاڑی کے دو پہیے ہیں، کسی ایک پر بھی ہم وزن نہیں ڈال سکتے، اسی طرح تم دونوں میں بھی غلطی کسی کی نہیں، بس حالات ہی ایسے ہیں کہ تم لوگ چاہ کر بھی ایک دوسرے پر بھروسہ نہیں کر پا رہے، مگر دیکھ پتر! غلط فہمی کی دراڑ جب دل میں پڑنے لگے تو فوراً سے پہلے اپنی آنکھوں پر سے بے وقوفی کا پردہ ہٹا کر عقلمندی کی عینک لگا کر اس دراڑ کو اعتماد و بھروسے سے بھر دینا چاہیے، ورنہ دوسری صورت میں وہ دراڑ رشتوں کی دیوار توڑنے میں منٹ لگاتی ہے"۔ وہ اماں جنجل کی باتیں بہت دھیان سے سن رہا تھا، واقعی آج کل اس کے ساتھ ایسا ہی کچھ ہو رہا تھا۔

"اماں! میں کیا کروں دل چاہ کر بھی یہ اعتراف اور فیصلہ ماننے کو تیار نہیں ہوتا کہ وہ میری وفادار رہے گی، ہماری عزت کی لاج رکھے گی، جب ایک عورت خود طلاق مانگ سکتی ہے، جب ایک عورت 12 سال بعد بھی اپنا بسا بسایا گھر چھوڑ کر جا سکتی ہے، تو پھر یہ تو آج کل کی لڑکی ہے، میں اسے کھونے سے ڈرتا بھی ہوں مگر روکنے کا پابند بھی نہیں"۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا اور اماں جنجل کے دونوں ہاتھوں کو تھامے اپنا حال دل انہیں بیان کیا۔

"پتر! میں جانتی ہوں کہ تُو اسے چاہنے لگا ہے، چاہے تُو اعتراف کر یا نہ کر، پر مجھے خبر ہے اور وہ بھی تجھے پسند کرتی ہے پتر! اس کی آنکھیں، اس کا خاندان شرم و عزت سب اس بات کی گواہ ہے کہ وہ چھوڑ کر جانے والوں میں سے نہیں، دیکھ پتر! بات سن! دنیا میں ہر طرح کے لوگ موجود ہیں کسی ایک کی غلطی کی سزا ہم دوسرے کو نہیں دے سکتے، کسی نا کسی پر تو بھروسہ کرنا ہی پڑے گا اور پھر دل بھلے الٹے ہاتھ پر ہو، مگر فیصلے ہمیشہ سیدھے کرتا ہے، پتر! تُو بھی اپنے دل کی ہی سن، آگے جو رب سوہنے کی مرضی، وہ بادشاہ ہے مالک ہے سب بہتری فیصلہ کرے گا"۔ اماں جنجل کی باتوں سے اسے تھوڑی ڈھارس ملی تھی وہ آج کل جن الجھنوں کی ڈور میں الجھ رہا تھا، وہ ڈور ابھی سلجھی نہ تھی تو کم از کم اس کا سرا ضرور ہاتھ آ چکا تھا، اسے اب امید ہونے لگی تھی کہ بہت جلد وہ اپنی کشمکش کا حل نکال لے گا۔

☆..........☆..........☆

ضوفی کو آئے ابھی ایک ہفتہ بھی پورا نہیں ہوا تھا، مگر اس نے جانے کی تیاری پکڑلی تھی۔ ممی، پاپا بھی تھوڑا حیران تھے تو خوش بھی کہ وہ سسرال میں اچھے سے ایڈجسٹ ہو گئی ہے، جبکہ دوسری جانب ضوفی الجھن کا شکار تھی، آج کل ویسے بھی اس پر عجیب سی سستی چڑھی ہوئی تھی، وہ جو بہت دنوں کا سوچ کر آئی تھی اب 5 دنوں میں ہی اکتاہٹ میں مبتلا ہو گئی تھی، اماں جنجل اور دانی سے باتیں ہوتی تھیں، تو اسے پتہ لگ

گیا تھا کہ دوسری طرف بھی حال برا ہی ہے، ممی پاپا کے روکنے کے باوجود وہ نہ رُکی تھی، اماں جنجل سے کہہ کر ڈرائیور بلوا لیا تھا، کیونکہ حویلی کی عورتوں کو اکیلے سفر کی اجازت نہ تھی، ساتھ ہی اس نے اماں جنجل کو منع کیا تھا کہ اس کی واپسی کا گھر میں کسی کو بھی پتہ نہ چلے، کیونکہ یوں اچانک گھر آ کر وہ سرپرائز دینا چاہتی تھی، اسے پتہ تھا اماں جنجل ہیں تو پرانے زمانے کی، مگر پھر بھی ہر بات اچھے سے سمجھتی ہیں، وہ یقیناً سب سنبھال لیں گی اور ہوا بھی کچھ یوں ہی، ڈرائیور چونکہ ایک دن پہلے رات ہی میں آ چکا تھا، تبھی وہ لوگ نماز فجر پڑھ کر نکلے تھے، چونکہ Direct سفر تھا اس لیے وہ 11 بجے تک گھر پہنچ چکے تھے، ہمیشہ کی طرح عظام شاہ زمینوں کی طرف جا چکا تھا، اماں جنجل لان میں ہی اس کی منتظر تھیں، جبکہ دانیہ یوں اچانک ضوفی کی آمد پر حیران بھی تھی اور بہت خوش بھی۔

"واہ بھرجائی! کیا زبردست سرپرائز دیا ہے، میں ابھی ادا کو فون کرتی ہوں"۔ دانیہ اس سے گلے مل کر اندر کی جانب بڑھنے لگی، تبھی اماں جنجل نے اسے روکا۔

"نہیں پتر! فون نہ کر، کنوار نے رات ہی تیرے ادا کو بتانے کا منع کر دیا تھا، تبھی ڈرائیور کو بھی میں نے چپکے سے بھیجا تا کہ تیرے ادا کو پتہ نہ لگے"۔

"ہا... اماں! آپ بھی ملی ہوئی تھیں بھرجائی کے پلان میں، پر مجھے نہیں بتایا"۔ دانی نے منہ پھلاتے ہوئے کہا۔

"اگر تمہیں بھی پتہ ہوتا تو تمہارے چہرے پر یہ خوشی اور حیرانی کے رنگ کیسے دیکھنے کو ملتے؟" ضوفی اس کے پھولے ہوئے ناک کو پکڑتے ہوئے بولی، تبھی دانیہ کے سیل پر بیپ ہوئی۔

"او ئی اماں! ادا کا فون ہے"۔ وہ موبائل پکڑے اسکرین پر جگمگاتے نمبر کو دیکھنے لگی۔

"لا ادھر دے، میں ہی بات کرتی ہوں"۔ اماں جنجل نے موبائل اس کے ہاتھ سے لے لیا، 10 منٹ کی بات کرنے کے بعد وہ کال کٹ کر کے ان دونوں کی جانب متوجہ ہوئیں۔

"شاہ پتر کو نئی زمین کے سلسلے میں حیدر آباد جانا پڑ رہا ہے، تو شاید کام نبٹا کر وہ کل رات تک واپس آئے گا"۔

"لو بھرجائی! آپ کا سرپرائز تو سائیڈ میں ہی رہ گیا، الٹا ادا نے ہی سرپرائز دے دیا"۔ دانیہ کی بات پر وہ مسکرا دی۔

"کنوار پتر! جا نہا دھو لے سفر سے آئی ہے، پھر میں شبو سے جب تک کھانا تیار کرواتی ہوں پھر سب مل کر کھائیں گے"۔ اماں جنجل نے پیار سے کہا۔

"نہیں اماں! ابھی بھوک نہیں، شام کو ہی کھا لوں گی، بس تھکن ہو رہی ہے، تو میں نہا کر تھوڑا آرام کروں گی"۔ وہ اندر جانے کے لیے بڑھی ہی تھی کچھ یاد آنے پر وہ پلٹی، ڈرائیور جو کہ اس کا سامان اندر پہنچا چکا تھا، اس سے کہہ کر براؤن کلر کا ہینڈ بیگ باہر منگوایا۔

"اماں! یہ کچھ شاپنگ میں نے کی تھی اور ساتھ ہی ممی پاپا نے بھی آپ کے لیے کچھ سامان بھجوایا ہے"۔ اس نے سب سے پہلے اماں جنجل کو ان کے تحفے دیے جو کہ گرم اونی شال، چکن بریزہ کے دو سوٹوں، نرم سی چپل اور چادر پر مشتمل تھے، پھر وہ دانیہ کی طرف پلٹی، ریڈی میڈ دو فراک، لان کا پرنٹڈ سوٹ، آرٹیفیشل جیولری کے دو نفیس سے سیٹ، خوبصورت سی چوڑیاں اور نازک سی سینڈل۔

”یہ تمہارے لیے“۔ اس نے دانی کی طرف شاپر بڑھایا۔

”بھرجائی! Thanks“ اس کی آنکھیں محبتوں کے پانی سے بھر آئیں تو اس نے آگے بڑھ کر اپنی اکلوتی نند کو گلے سے لگا لیا۔

”ویسے آپ ادا کے لیے کیا لائی ہیں؟“ دانی نے شرارت سے پوچھا۔

”ان کے لیے بھی بہت کچھ ہے“۔ دل ہی دل میں جواب دیتے ہوئے اس کے چہرے پر قوس وقزح کے رنگ بکھر گئے جسے اماں جنجل نے بہت غور سے دیکھا۔

”ارے پگلی! یہ خود جو آگئی ہے، اس سے بڑھ کر کیا ہوگا“۔ اماں جنجل نے صوفی کے دل کی بات کو اپنے الفاظوں میں کہا تو وہ بھی مسکراتے ہوئے اپنے روم کی جانب بڑھ گئی۔ روم میں سب کچھ ویسا ہی تھا مگر صاف ستھرا، ڈریسنگ ٹیبل پر اس کی چوڑیاں ترتیب سے باکس میں رکھی گئی تھیں۔

”لگتا ہے مجھے Miss کرتے ہوئے میری چیزوں سے دل بہلایا ہے“۔ صوفی نے سوچا، وہ اپنا سوٹ کیس کھولے اپنے کپڑے وغیرہ رکھنے لگی، تبھی اس کی نظر C.D پلیئر پر پڑی، تو اس نے آگے بڑھ کر Play کا بٹن پش کر دیا۔

”آسماں تیرا میرا ہوا خواب کی طرح دھواں دھواں
آسماں تیرا میرا ہوا سانس کی طرح رواں رواں“

الفاظوں کو سن کر وہ سُن سی ہوگئی، کتنی پیاری Wording تھی، نجانے کب تک وہ سوتی رہی تھی اٹھ کر اس نے روم کے دبیز پردے سرکائے، شام کے سائے اب پھیلنے لگے تھے، دسمبر کے اختتامی ایام تھے ہواؤں میں خنکی پھیلی ہوئی تھی، ٹھنڈی پرلطف اور خنک زدہ ہواؤں کی لہریں اسے اپنے اندر اترتی ہوئی محسوس ہوئی تھیں، وہ اپنے بال سمیٹ کر نیچے چلی آئی۔

”اٹھ گئی پتر! نیند ہوگئی پوری؟“

”جی اماں ہوگئی پوری“۔ اماں جنجل کو سلام کرکے اور جواب دے کر وہ وہیں ان کے پاس صوفے پر بیٹھ گئی جو دانیہ کے دوپٹے میں ستاروں کی بیل ٹانک رہی تھیں۔

”دیکھ ناں پتر! اتنا کم وقت رہ گیا ہے اور دانی کی اتنی تیاری کرنا باقی ہے، گھر کی بڑی ہو کر بھی میں کچھ نہیں کرسکتی“۔ اماں کے لہجے میں اداسی در آئی۔

”اماں! آپ کیوں پریشان ہوتی ہیں، میں ہوں ناں اس کی بھرجائی، انشاء اللہ سب کام ہو جائیں گے اور وہ بھی خیر و عافیت کے ساتھ“۔ صوفی نے اماں جنجل کو تسلی دی۔

”ہاں پتر! تیرے ہی ہونے سے آسرا ہے، سدا جیوتی رہ، میں شاہ پتر سے کہوں گی تجھے شہر لے جائے ساتھ، تاکہ تم دونوں ہی سب خریداری کر آؤ“۔ اماں جنجل کی بات ابھی مکمل ہی ہوئی تھی، جبھی دانیہ بھاگی ہوئی چلی آئی۔

”ہائے چھوری! آرام سے..... خیر تو ہے؟“ وہ جو ہانپ رہی تھی دوپٹہ چھوڑ چھاڑ اماں جنجل نے اس کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”اماں ادا آپ کی چچا زاد بہن ہیں ناں، اماں سکینہ ان کے شوہر کا انتقال ہو گیا ہے“۔

”ہائے..... ہائے! یہ کیا ہو گیا، وہ تو بھلا چنگا تھا“۔ دانی کی بات سن کر ہی اماں نے دو ہتڑ اپنے سینے پر مارتے ہوئے کہا، وہ تین آنسو جھٹ سے بہہ نکلے تھے۔

”شاہ پتر تو حیدر آباد گیا ہے، وہ بھی ضروری کام سے، اب میں تو جانے سے رہی، تو جائے گا کون؟“ اماں نے اپنے سر کو پکڑتے ہوئے پرتشویش انداز میں کہا۔

”اماں کسی نہ کسی کو تو جانا پڑے گا، اب تو شام بھی ہوگئی“۔ صوفی نے بھی بات میں حصہ لیا۔

”ہاں پتر! شام تو ہوگئی ہے، اگر صبح تک شاہ پتر کی واپسی ہوگئی تو وہی چلا جائے گا، چل دانی! اٹھ ذرا اماں سکینہ کے ہاں فون تو لگا دے، میں فون پر تو بات کرلوں“۔ ڈنر اور سارے کام وغیرہ سے فارغ ہو کر وہ بہت دیر تک اماں کی دلجوئی کرتی رہی اور ساتھ میں دانی سے گپ شپ بھی، گلفشاں آپی کی کال آئی تو وہ روم میں چلی آئی، وہاں تو آدھی رات ہو چکی تھی، کال ڈسکنیکٹ ہونے کے کافی دیر بعد بھی وہ رومیصل کی شرارتوں پر ہنستی رہی۔

”کاش! اس گھر میں بھی یوں ہی کوئی شرارتی سا بچہ ہوتا“۔ یک لخت اس کے دل میں خواہش ابھری، قدرت بھی شاید اسی انتظار میں تھی کہ کب اس کے دل میں اس معصوم سی خواہش کا بیج نمو پائے اور وہ اپنے بے کراں خزانے سے وہ انمول موتی اسے بخشے، جسے پا کر عورت کی تکمیل ہو جاتی ہے، رات اپنے اندر ہزاروں بھید چھپائے دھیرے دھیرے آگے بڑھ رہی تھی، وقفے وقفے سے ابھرنے والی چوکیدار اور ساتھ ہی پہرا دیتے کتوں کی آواز کے علاوہ اندر باہر خاموشی کا راج تھا، موسم بدل جانے کے باوجود فضا میں خنکی کا راج تھا، شام ہوتے چلنے والی ٹھنڈی ہوا خوشگواری کے احساس کے ساتھ ہی جانے والے دسمبر اور آنے والی جنوری اور سال نو کی پیامبر تھی۔

☆..............☆..............☆

صبح بڑی اوس بھری تھی، ہر شے گیلی گیلی سی تھی، نماز پڑھتے اور اماں جنجل کو سلام کرکے وہ باہر لان میں آگئی، ہوا کے جھونکوں میں چھپا بھیگا پن چہرے پر محسوس ہو رہا تھا، بڑے سارے صحن کے سفید چکنے ماربل کے فرش پر وہ چپل اتار کر چلی آئی، ٹھنڈک اس کے قدموں تلے جذب ہونے لگی، یوں ہی چلتے چلتے وہ باغ کی طرف چلی آئی، کونے میں لگے موتیے کے جھنڈ کی خوشبو لہلہاتی ہوا یہاں سے وہاں پھیلا رہی تھی، یہ راحت بھری ٹھنڈک اسے بے حد سکون و راحت دینے لگی تھی، یک دم اسے چکر آئے تھے اور وہ لڑکھڑاتے ہوئے گرنے کو تھی جب ہی مالی بابا نے اسے دیکھ لیا۔

”دھی رانی.....!“ اور اسے سہارا دے کر لان میں رکھی چیئر پر بٹھا دیا، کچھ ہی پل میں اماں جنجل، دانیہ، اماں حاجراں سب اس کے ارد گرد جمع تھے۔ صوفشاں نیم بے ہوشی کی سی کیفیت میں تھی، اس کا سر بُری طرح چکرا رہا تھا، ہر چیز اسے گھومتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

”پڑوس میں جو ڈاکٹر بانی ہے اسے بلا لاؤ! جلدی“۔ اماں جنجل نے ہدایت دی اور ساتھ ہی صوفشاں کے ہاتھ پاؤں سہلانے لگیں، تھوڑی دیر میں ڈاکٹر خورشید آگئی تھی، اگلے کچھ منٹوں بعد ہی آنے والی خوشخبری نے حویلی کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا، حویلی کے مکینوں سے لے کر نوکر تک سب بہت خوش تھے، اب وہ مکمل ہوش میں تھی، شرمائی شرمائی سی، اماں جنجل تو اس کی بلائیں لیتے نہ تھکتی تھیں، صدقے بھی دیئے جا رہے تھے۔

”بھرجائی! آپ نے مجھے پھوپھو بنا دیا، اب یہ خبر جلدی سے ادا کو سناتی ہوں“۔ دانیہ خوشی سے اچھل ہی پڑی

فوراً اس کی جانب بڑھا جس کی دروازے کی سمت پشت تھی۔

"کیا ہوا تمہیں؟ تم یوں رو.....!" اس کا جملہ ابھی مکمل بھی نہیں ہوا تھا جب وہ یک دم اس کے گلے سے آ لگی، یہ پہلا موقع تھا جب ضوفشاں نے پہل کی تھی، وہ بھی یوں، وہ جب روم میں داخل ہوا تبدیلی بھی محسوس ہوئی تھی، مگر اس کے گلے لگتے ہی اسے اور بھی بہت کچھ محسوس ہوا تھا، عام دنوں سے ہٹ کر اس نے نائٹ گاؤن پہن رکھا تھا، اس پر اس کا نیا ہیئر اسٹائل، اس پر سولہ سنگھار، چہرے پر جھولتی کچھ آوارہ لٹیں اور روئی روئی سی صورت، آفت ڈھا رہی تھی۔

"ضوفی! کیا ہوا ہے تمہیں؟ کیوں رو رہی ہو؟" وہ اس کے گلے لگ کر ابھی تک روئے جا رہی تھی۔

"پلیز مجھے مت چھوڑیں، مجھے گھر سے مت نکالیں، میں آپ کو چھوڑ کر نہیں جانا چاہتی، آپ جو بھی کہیں گے میں مانوں گی، آپ مجھے وہ کاغذات نہ دیں میں..... میں آپ کے بغیر نہیں رہ سکتی۔" ہچکیوں کے بیچ ضوفشاں کے بے ربط سے جملے اسے بہت کچھ سمجھا گئے تھے، اس کے چہرے پر مسکراہٹ در آئی، وہ بانہوں میں تھامے اسے بیڈ تک لایا اور پانی سے بھرا گلاس اس کے لبوں سے لگایا اور خود گھٹنوں کے بل اس کے قریب بیٹھ گیا۔

"اب بتاؤ! کیا بات ہے؟" پانی پی کر وہ قدرے سنبھل چکی تھی، روئی روئی سی سرخ پڑتی آنکھوں میں بہت کچھ تھا، الجھن، شکایت، پریشانی، اداسی، ڈر، مایوسی۔

"آپ مجھے کیوں چھوڑنا چاہتے ہیں؟ میں آپ سے.....!"

"ہش.....!" عظام نے اس کے ہونٹوں پر اپنی انگلی رکھ دی۔

"میں تمہیں چھوڑنا نہیں چاہتا، بلکہ میں تو خود بھی تمہارے بغیر رہنا نہیں چاہتا، بس اعتراف تھوڑی دیر سے کر رہا ہوں کہ جاناں I love You!" دونوں ہاتھوں میں ضوفی کا ہاتھ تھامے اس نے جھکے سر سے اعتراف کیا۔

"تو پھر وہ کاغذات؟" ضوفشاں نے حیرت سے اس کی جانب دیکھا۔

"وہ کاغذات تو میری نئی زمین کے تھے جو حال ہی میں، میں نے خریدی ہے، لیکن مجھے کیا پتہ کہ ہماری بیگم کہیں آس پاس موجود ہو کر سن رہی ہیں اور کوئی اور مطلب اخذ کر لیں گی۔" عظام کے چہرے پر مسکراہٹ رقصاں تھی، عام دنوں کی نسبت آج پہلی بار اس نے اتنے فرینڈلی لہجے میں بات کی تھی۔

"آج تم نہیں میں بولوں گا، اور تم سنو گی، یہ تم بھی جانتی ہو ہماری شادی تقدیر کا انوکھا ملن تھا، جس کے لیے ہم دونوں ہی تیار نہ تھے، میں نے تو خیر کسی دیہاتی ہی لڑکی سے شادی کرنی تھی، میں چاہتا تو اپنی پسند سے حیدر آباد میں ہی کسی لڑکی سے شادی کر لیتا، مگر میں اپنے وعدے کا پکا ہوں، میں نے یہ ذمے داری اماں پر ہی چھوڑی تھی اور تقدیر نے نیلوفر کے بی ہاف پر تم سے ملایا، میری لائف میں دو عورتیں آئیں، جو میری ذات سے منسلک تھیں، پہلے میری ماں اور پھر نیلوفر، دونوں نے ہی Same حرکت کر کے میرے اعتماد کو ریزہ ریزہ کر دیا، تبھی میں چاہ کر بھی تم پر بھروسہ نہیں کر پایا، حالانکہ تمہاری باتیں، تمہاری تہذیب، تمہارا رکھ رکھاؤ بار بار میری آنکھوں کے سامنے آ کر یہ ظاہر کرتا کہ تم اعتماد کے قابل ہو، مگر بس آنکھوں پر ایک غصے اور بدگمانی کی پٹی سی بندھ گئی تھی اور اب جب تم سے دور رہ کر یہ بدگمانی کی پٹی محبتوں کے ہاتھوں کھلی ہے، تو اب سب منظر صاف ہیں، اب تم چاہو گی تو بھی میں تمہیں خود سے اور اپنی ذات سے الگ نہیں کر سکتا۔" عظام نے اس کے دونوں ہاتھوں کو اپنے

تھی، خوشی سنبھالے نہ سنبھلتی تھی، تبھی وہ نمبر ڈائل کرنے لگی۔

"دانی! نہیں ابھی نہیں، فون نہ کرو... وہ میں.....!"

"اوہ... سمجھ گئی اوا کو بھی سرپرائز دینا ہے وہ بھی خود ہی.....!" دانیہ ضوفی کی ادھوری بات کا مطلب سمجھتے ہوئے بولی تو وہ مسکرا کر سر اثبات میں ہلا گئی۔ عظام شاہ کی واپسی اب تک نہیں ہوئی تھی، نا چاہتے ہوئے بھی اماں جنجل کو ضوفی نے جانے کے لیے تیار کیا تھا، حالانکہ وہ نہیں جانا چاہ رہی تھیں، اتنی بڑی خوشی بھی تو آج ہی کے دن نصیب ہوئی تھی۔

"اماں! میں ٹھیک ہوں، اپنا خیال رکھ لوں گی، ایک دن کی تو بات ہے، پھر اماں حاجراں بھی ہیں میرے ساتھ، آپ آرام سے چلی جائیں، رات تک عظام بھی آ جائیں گے، پھر میں اکیلی کہاں؟" بالآخر اس نے اماں جنجل کو قائل کر لیا تھا، پر ساتھ ہی ایک بار پھر سے اس نے عظام کو یہ سب بتانے سے روکا تھا۔

"آج تم دونوں کے لیے بہت خوشی کا دن ہے، تنہائی میں تم دونوں مل بیٹھ کر اپنے سارے گلے شکوے دور کر دینا پتر!" جانے سے پہلے اماں جنجل نے آہستہ سے کہا تو اس نے اپنا سر ہلا کر تائید کی۔ تھوڑی ہی دیر میں اماں جنجل دانیہ کے ہمراہ روانہ ہو گئی تھیں۔

☆..........☆..........☆

وہ جب گھر میں داخل ہوا تو رات گہری ہو چکی تھی، وہ اپنی اجرک اتار کر وہیں لاؤنج میں رکھے صوفے پر بیٹھ گیا۔

"اف... کتنا سناٹا ہے حویلی میں" اس نے ارد گرد پھیلے سناٹے کو دیکھتے ہوئے سوچا، تبھی اس کا سیل بپ کرنے لگا۔

"جی وکیل صاحب! اچھا..... چلیے ٹھیک ہے، آپ جلدی سے ساری کارروائی مکمل کر لیں، میرے پاس وقت نہیں، جلد از جلد کاغذات بنوا کر آپ میرے گھر بھجوا دیں۔" مخالف کی بات سن کر اس نے جواب دیا اور کال کٹ کر دی، اس بات سے بے خبر کہ اوپر سیڑھیوں پر کھڑے نفوس نے اس کی بات سن لی ہے، کاغذات لفظ پر اس کا ذہن سن ہو چکا تھا، وہ اپنے وجود کو گھسیٹتے ہوئے روم میں آئی اور کھڑکی کی جانب چلی آئی، اپنے آنسوؤں کے گھونٹ پیتے اور انہیں بہنے سے روکنے کی ناکام سی کوشش کرنے لگی، مگر لاکھ کوشش کے باوجود وہ خود کو نہ روک پائی، اگلے پل وہ زار و قطار رونے لگی تھی، کب سے رکے ہوئے آنسو اب بہنے لگے تھے۔

اماں حاجراں کو کھانے سے منع کر کے وہ اوپر کی سیڑھیاں چڑھنے لگا، تبھی اسے اپنے روم سے کسی نسوانی سسکیوں کی آواز سنائی دی، وہ چونکا اس کے روم میں کون ہو سکتا ہے؟ ضوفی یہاں تھی نہیں، دانیہ بھی اماں جنجل کے ساتھ گئی تھی، کسی نوکر کا بھی اس کے روم میں آنے سے واسطہ نہ تھا تو پھر..... وہ سنبھلتا ہوا آگے بڑھا اور اپنے روم کا دروازہ کھولا، اگلے ہی پل اسے حیران کن جھٹکا لگا، پورا کمرہ روشن تھا مگر موم بتیوں کی دھیمی دھیمی روشنی سے۔ دروازے سے لے کر بیڈ تک آنے والی روش پر قالین ہٹا کر پھولوں کی پتی ہوئی روش بنائی گئی تھی، بیڈ پر نفاست سے بچھی چادر جسے پھولوں کی پتیوں سے سجایا گیا تھا، سائیڈ ٹیبل، ڈریسنگ ٹیبل پر جگہ جگہ خوبصورت سی خوشبو بکھیرتی Candles روشن تھیں، پورا کمرہ مہک رہا تھا اور ایک رومینٹک سا تاثر دے رہا تھا، سب کچھ خوبصورت اور پرفیکٹ تھا، سوائے اس ایک کے جس کی رونے کی آواز اس مدہوش ماحول میں مس فٹ تھی۔

لبوں سے لگاتے ہوئے اپنے دل کا راز بیان کیا۔

"ہاں اب چاہ کر بھی آپ الگ کرنے کا سوچ ہی نہیں سکتے کیونکہ..." ضوفی کہتے کہتے رک گئی، یک دم اسے ڈھیروں ڈھیر شرم نے آگھیرا جبکہ عظام مبہوت سا اسے تکے گیا جو شرم و حیا کا پیکر بنی گلنار ہو رہی تھی، تبھی ضوفی نے سائیڈ ٹیبل پر پڑا ایک لفافہ اس کی جانب بڑھایا جس پر ایک کارڈ بھی چسپاں تھا۔

"یہ کیا ہے اور کس لیے؟" اس نے چونکتے ہوئے پوچھا۔

"خود ہی دیکھ لیجیے مسٹر عظام شاہ!" وہ کہہ کر اپنی انگلیاں مروڑنے لگی، کارڈ پر "Congrates Father" نمایاں تھا، پہلے پہل وہ اس عبارت کا مطلب نہیں سمجھ پایا، پھر ضوفشاں کی جانب دیکھا جو اس کی نظریں اپنی طرف متوجہ پا کر خود بہ خود شرما گئی، رخساروں پر عجب سی سرخی بکھری ہوئی تھی، بلاشبہ آج وہ بلا کی حسین لگ رہی تھی، اس کا شرمیلا انداز اسے کچھ جتا گیا۔

"تو کیا... میرا مطلب تم مجھے کنفرٹ... اف... آئی مین ہم بھی پاپا بننے والے ہیں؟" مارے خوشی کے وہ پاگل سا ہونے لگا اور اسی سے پوچھنے لگا، ضوفی نے ہولے سے اپنا سر ہلایا۔

"اوہ مائی گاڈ...!" اس نے اسے اپنی باہوں میں بھر لیا، پیشانی پر، گالوں پر، آنکھوں پر، ہاتھوں پر عظام کے ہونٹوں کا لمس پھیلنے لگا۔

"آج میں بتا نہیں سکتا کتنا خوش ہوں، دنیا کی سب سے بڑی خوشی سال نو کے تحفے کے طور پر تم مجھے دے جا رہی ہو۔" اسے خود میں بھینچتے ہوئے کہا، ضوفی نے اسے آج سے پہلے اتنا خوش کبھی نہیں دیکھا تھا، اتنی وارفتگی کی امید اسے کہاں تھی۔

"اچھا تا ئیں آپ کو Baby چاہیے یا Baba؟" یک دم ہی ضوفی نے پوچھا۔

"دونوں ہی"۔ اس نے کھٹ سے جواب دیا۔

"دونوں...؟" ضوفی نے نا سمجھی سے اس کی جانب دیکھا۔

"ہاں، ہاں دونوں ہی مطلب ٹوئنز"۔

"اف... آپ بھی ناں عظام!" وہ شرما گئی۔

"اچھا سنو اب تو کوئی شکایت اور ناراضی نہیں ناں؟" ضوفی نے اس کے سوال کے جواب میں دائیں بائیں نفی میں گردن ہلائی۔

"Good اب ہونی بھی نہیں چاہیے، اور ناں میں ہونے دوں گا"۔ عظام نے اسے اپنی باہوں میں سمیٹ کر اس کی پیشانی پر اپنے لب رکھ دیے۔

"آج سے ہم ایک نئی زندگی کی شروعات کریں گے، اس آنے والے نئے سال کی طرح، ہمارا بچہ ہماری محبتوں اور شفقتوں کے سائے تلے اس طرح پروان چڑھے گا کہ اس کا ہر رنگ بہار کے اولین دنوں میں کھلتے پھولوں کی طرح گہرا اور شوخ ہوگا، بارش کے قطروں کی طرح اس کا من شفاف آئینہ ہوگا جس میں ہمارا عکس نمایاں ہوگا"۔ عظام نے اس پر پیار کی بارش برسا دی جس میں اس کا تن من بھیگنے لگا۔

رات کے اس آخری پہر جب نئے سال کا آغاز ہو چکا تھا اور خالق کائنات آسمان سے زمین تک نور کی لکیر کھینچ رہا تھا، کھڑکی کے راستے اوس میں بھیگتی رات اور ٹھنڈی مہکتی ہوائیں ان کے آنگن میں کھلنے والے نئے پھول کی نوید سنا رہی تھیں۔